جماعتِ احمدیہ امریکہ کا علمی، ادبی، تعلیمی اور تربیتی مجلّہ

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ۙ یُخۡرِجُہُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ ۬ؕ

القران الحکیم ۲:۲۵۸

النور

وفا - ظہور ۱۳۹۷ ہش

جولائی - اگست ۲۰۱۸ء

2018 EAST COAST Qur'an CONFERENCE

DEPARTMENT OF TALEEMUL QUR'AN & WAQF-E-ARDHI

AHMADIYYA MUSLIM COMMUNITY
United States of America

Muslims who believe in the Messiah Mirza Ghulam Ahmad of Qadian

Bait-ul-Aafiyat, Philadelphia PA

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ۙ یُخۡرِجُهُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ البقرہ ۲۵۸

اللہ ان لوگوں کا دوست ہے جو ایمان لائے۔ وہ ان کو اندھیروں سے نور کی طرف نکالتا ہے۔

النور

ریاستہائے متحدہ امریکہ Al-Nur

جلد ۳۹ وفا، ظہور ۱۳۹۷ ہش ـــ جولائی۔ اگست ۲۰۱۸ ـــ شوال، ذوالقعدہ، ذوالحجہ ۱۴۳۹ ہجری شمارہ ۶، ۷

۔۔۔تِلۡکَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ فَلَا تَعۡتَدُوۡهَا ۚ وَمَنۡ یَّتَعَدَّ حُدُوۡدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ

۲ ﴿سورۃ البقرۃ﴾:۲۳۰

یہ اللہ کی قائم کردہ حدود ہیں پس ان سے تجاوز نہ کرو۔ اور جو کوئی اللہ کی حدود سے تجاوز کرے پس یہی لوگ ہیں جو ظالم ہیں۔

وَاَنۡ لَّا تَعۡلُوۡا عَلَی اللّٰهِ ۚ اِنِّیۡۤ اٰتِیۡکُمۡ بِسُلۡطٰنٍ مُّبِیۡنٍ

۴۴ ﴿سورۃ الدخان﴾:۲۰

اللہ کا رنگ پکڑو۔ اور رنگ میں اللہ سے بہتر اور کون ہو سکتا ہے اور ہم اسی کی عبادت کرنے والے ہیں۔

یہ اللہ کی قائم کردہ حدود ہیں پس ان کے قریب بھی نہ جاؤ۔

(۷۰۰ احکامِ خداوندی صفحہ ۹۸، ۹۹، ۱۰۱)

لکھنے کا پتہ:

Al-Nur@ahmadiyya.us

Editor Al-Nur, 15000 Good Hope Road

Silver Spring, MD 20905

اِس شمارے میں

اپنے ربّ کی رضا کے حصول کے لئے حسنِ سلوک

وَمَآ أُمِرُوٓا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ

(سورۃ البیّنہ آیت: ۶)

اور وہ کوئی حکم نہیں دیے گئے سوائے اس کے کہ وہ اللہ کی عبادت کریں دین کو اُس کے لئے خالص کرتے ہوئے، ہمیشہ اس کی طرف جھکے ہوئے، اور نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ دیں۔ اور یہی قائم رہنے والی اور قائم رکھنے والی تعلیمات کا دین ہے۔

تفسیر بیان فرمودہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ:

"۔۔۔دین کے اس معنی کے لحاظ سے دو پہلو ہیں۔ (۱) بدلہ لینا (۲) بدلہ دینا۔ بدلہ لینے کے متعلق خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تمہارا ہر حسن سلوک اس معنی میں کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے احسان کا لفظ استعمال کیا ہے ایسا ہونا چاہیئے کہ تمہارے دل میں نہ صرف یہ خیال پیدا نہ ہو کہ یہ شخص اس کا بدلہ دے گا۔ احسان کے مقابلہ میں احسان کرے گا بلکہ تمہیں یہ خیال بھی پیدا نہ ہو کہ کم از کم اسے میرا شکر تو ادا کرنا چاہیئے بعض لوگ کسی کی تھوڑی سی خدمت کر کے کہہ دیتے ہیں بڑا ناشکرا ہے یہ شخص۔ اس نے ہمارا شکر بھی ادا نہیں کیا۔ خدا تعالیٰ تمہیں کہتا ہے کہ تم اس کی بھی توقع نہ رکھو کہ وہ تمہارا شکر ادا کرے گا۔ پس جس نے خدا کی رضا کے حصول کے لئے بنی نوع انسان کی خدمت کی ہے جس نے دنیا کی تکلیفوں کو دُور کرنے کے لئے خود مصائب برداشت کئے ہیں اس کو خدا کا یہ حکم ہے کہ تم نے جزا لینے کا خیال بھی دل میں نہیں لانا۔ تم نے یہ بھی نہیں سوچنا کہ اس شخص کو تمہارا شکر گزار ہونا چاہیئے۔ یہ اسلام کی نہایت عجیب تعلیم ہے اور اسے قرآن کریم نے بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔۔۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر تم بدلہ لینے کے میدان میں یہ خیال کرو گے کہ جس شخص سے تم نے حسن سلوک کیا جس کی تم نے خدمت کی اور جس کی تکلیف کو دور کرنے کی تم نے کوشش کی اسے تمہیں اس احسان کا کچھ بدلہ دینا چاہیئے۔ اسے کم از کم تمہارا شکر ادا کرنا چاہیئے تو تم نے خدا تعالیٰ کی پرستش کا حق ادا نہیں کیا۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کی سچی اور حقیقی عبادت کرنا چاہتے ہو تو تمہارے لئے یہ راہ ہے کہ تم بنی نوع انسان کی خدمت کرو۔ تم ان سے حسن سلوک کرو۔ تم اپنے بھائیوں کے لئے مصائب برداشت کرو۔ تکلیفیں اور دکھ سہو اور ہر چیز کو بھول جاؤ تمہیں یہ خیال ہی نہ رہے کہ تم نے کچھ کیا ہے کیونکہ تم نے جو کچھ بھی کیا ہے اپنے ربّ کی رضا کے حصول کے لئے کیا ہے۔ اگر واقعہ میں تمہارا دعویٰ سچا ہے کہ تم جو کچھ کر رہے ہو وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے کر رہے ہو لیکن اگر تم نے وہ احسان خدا تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے نہیں کیا تو تم نے خدا کی عبادت نہیں کی۔ تم اس دعویٰ میں جھوٹے ہو کہ تم مشرک نہیں ہو بلکہ توحید خالص پر قائم ہو۔ غرض یہ جزا لینے کے متعلق اصولی تعلیم تھی۔۔۔"

(انوار القرآن جلد سوم، تفسیر حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالثؒ صفحات ۶۸۴ تا ۶۸۵)

حسن و احسان

عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْعَبْدَ التَّقِیَّ الْغَنِیَّ الْخَفِیَّ۔

(مسلم کتاب الزھد و الرقاق)

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا۔ اللہ تعالیٰ اس انسان سے محبت کرتا ہے جو پرہیز گار ہو، بے نیاز ہو، گمنامی اور گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرنے والا ہو۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ و یَبْلُغُ بِہِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اَلرَّاحِمُوْنَ یَرْحَمُھُمُ الرَّحْمٰنُ اِرْحَمُوْا اَھْلَ الْاَرْضِ یَرْحَمُکُمْ مَنْ فِی السَّمَاءِ

(ابو داؤد کتاب الادب باب فی الرحمة، حدیقة الصالحین صفحه ۶۷۹)

حضرت عبد اللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رحم کرنے والوں پر رحمان خدا رحم کرے گا۔ تم اہلِ زمین پر رحم کرو۔ آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَقُوْلُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ: اَیْنَ الْمُتَحَابُّوْنَ بِجَلَالِیْ؟ اَلْیَوْمَ اُظِلُّھُمْ فِیْ ظِلِّیْ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلِّیْ۔

(مسلم کتاب البرّ و الصلة باب فی فضل الحب فی الله، حدیقة الصالحین صفحه ۶۹۳)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا۔ کہاں ہیں وہ لوگ جو میرے جلال اور میری عظمت کے لئے ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔ آج جبکہ میرے سائے کے سوا کوئی سایہ نہیں میں انہیں اپنے سایۂ رحمت میں جگہ دوں گا۔

عَنْ اُسَامَۃَ بْنِ زَیْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا قَالَ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ صُنِعَ اِلَیْہِ مَعْرُوْفٌ فَقَالَ لِفَاعِلِہٖ: جَزَاکَ اللّٰہُ خَیْرًا فَقَدْ اَبْلَغَ فِی الثَّنَاءِ

(ترمذی کتاب البرّ و الصلة فی ثناء بالمعروف، حدیقة الصالحین صفحه ۷۱۳)

حضرت اسامہ بن زیدؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس پر کوئی احسان کیا گیا ہو اور وہ احسان کرنے والے کو کہے اللہ تجھے اس کی جزائے خیر اور اس کا بہتر بدلہ دے تو اس نے ثناء کا حق ادا کر دیا یعنی ایک حد تک شکریہ کا فرض پورا کر دیا۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مَنْ اُعْطِیَ عَطَاءً فَوَجَدَ فَلْیَجْزِ بِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَجِدْ فَلْیُثْنِ بِہٖ فَمَنْ اَثْنٰی بِہٖ فَقَدْ شَکَرَہٗ وَمَنْ کَتَمَہٗ فَقَدْ کَفَرَہٗ۔

(ابو داؤد کتاب الادب باب فی شکر المعروف، حدیقة الصالحین صفحه ۷۱۵)

حضرت جابر بن عبد اللہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کسی شخص کو کوئی تحفہ دیا جائے تو اسے چاہئے کہ وہ اس کا بدلہ دے۔ اگر وہ بدلہ دینے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو وہ تعریف کے رنگ میں اس کا ذکر کرے اگر اس نے ایسا کیا تو گویا اس نے شکر کا حق ادا کر دیا۔ اگر اس نے بات کو چھپایا تعریف کا ایک کلمہ تک نہ کہا تو گویا وہ ناشکری کا مرتکب ہوا۔

ارشاداتِ حضرت مسیح موعود علیہ السلام

اللہ تعالیٰ کے احسان

”۔۔۔باواصاحب کا ایک شعر یہ ہے۔

اوچو تھان سوہاوناں اوپر محل مرار   سچ کرنی دے پائے در گھر محل پیار

یعنی وہ بہشت اونچا مکان ہے اس میں عمارتیں خوبصورت ہیں اور راست بازی سے وہ مکان ملتا ہے اور پیار اس محل کا دروازہ ہے جس سے لوگ گھر کے اندر داخل ہوتے ہیں اور یہ شعر اس آیت سے اقتباس کیا گیا ہے جو قرآن شریف میں ہے۔ أُولَـٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ (سورة الفرقان:۷۵) حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا (سورة الفرقان:۷۷)

یعنی جو لوگ راستباز ہیں اور خدا سے ڈرتے ہیں انہیں بہشت کے بالا خانوں میں جگہ دی جائے گی جو نہایت خوبصورت مکان اور آرام کی جگہ ہے دیکھو اس جگہ صریح باواصاحب نے اس آیت کا ترجمہ کر دیا ہے کیا اب بھی کچھ شک باقی ہے کہ باواصاحب قرآن شریف کے ہی تابعدار تھے اس قسم کا بیان بہشت کے بارہ میں وید میں کہاں ہے بلکہ انجیل میں بھی نہیں تبھی تو بعض نابینا عیسائی اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن میں جسمانی بہشت کا ذکر ہے مگر نہیں جانتے کہ قرآن بار بار کہتا ہے کہ جسم اور روح جو دونوں خدا تعالیٰ کی راہ میں دنیا میں کام کرتے رہے ان دونوں کو جزا ملے گی یہی تو پورا بدلہ ہے کہ روح کو روح کی خواہش کے مطابق اور جسم کو جسم کی خواہش کے مطابق بدلہ ملے لیکن دنیوی کدورتوں اور کثافتوں سے وہ جگہ بالکل پاک ہوگی اور لوگ اپنی پاکیزگی میں فرشتوں کے مشابہ ہوں گے اور با ایں ہمہ جسم اور روح دونوں کے لحاظ سے لذت اور سرور میں ہوں گے اور روح کی چمک جسم پر پڑے گی اور جسم کی لذت میں روح شریک ہوگا اور یہ بات دنیا میں حاصل نہیں ہوتی بلکہ دنیا میں جسمانی لذت روحانی لذت سے روکتی ہے اور روحانی لذت جسمانی لذت سے مانع آتی ہے مگر بہشت میں ایسا نہیں ہوگا بلکہ اس روز دونوں لذتوں کا ایک دوسری پر عکس پڑے گا اور اسی حالت کا نام سعادت عظمیٰ ہے غرض باواصاحب نے یہ نکتہ معرفت قرآن شریف سے لیا ہے کیونکہ دوسری تمام قومیں اس سے غافل ہیں اور ان کے عقیدے اس کے برخلاف ہیں۔ پھر باواصاحب کا ایک شعر یہ ہے۔

کیتا آکھن آکھیئے آکھن ٹوٹ نہ ہو   منگن والے کیتڑی داتا ایکو سو   جس کے جیا پران ہیں من وسّے سکھ ہو

یعنی کس قدر کہیں کہنے کی انتہا نہیں۔ کس قدر مانگنے والے ہیں اور دینے والا ایک ہے جس نے روحوں اور جسموں کو پیدا کیا وہ دل میں آباد ہو جائے تو آرام ملے یہ شعر ان قرآنی آیتوں کا اقتباس ہے

وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا (سورة هود:۷) اَللّٰهُ لَآاِلٰهَ اِلَّا هُوَ (سورة طٰهٰ: ۹) يَسْأَلُهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ (سورة الرحمٰن: ۲۹)
وَنَفْسٍ وَّمَاسَوّٰهَا(سورة الشمس: ۸) قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا (سورة الشمس: ۱۰)

یعنی زمین پر کوئی بھی ایسا چلنے والا نہیں جس کے رزق کا خدا آپ متکفل نہ ہو وہی ایک سب کا ربّ ہے اور اس سے مانگنے والے تمام زمین و آسمان کے باشندے ہیں۔ جان کی قسم ہے اور اس ذات کی جس نے جان کو اپنی عبادت کے لئے ٹھیک ٹھیک بنایا کہ وہ شخص نجات پا گیا جس نے اپنی جان کو غیر کے خیال سے پاک کیا۔ اس آیت میں یہ نہیں کہا کہ جس نے اس محبوب کو اپنے اندر آباد کیا جیسا کہ باواصاحب نے کہا حقیقت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ تو اندر میں خود آباد ہے صرف انسان کی طرف سے بوجہ التفات الی الغیر دوری ہے پس جس وقت غیر کی طرف سے التفات کو ہٹا لیا تو خود اپنے اندر نورِ الٰہی کو مشاہدہ کرلے گا خدا دور نہیں ہے کہ کوئی اس طرف جاوے یا وہ اس طرف آوے بلکہ انسان اپنے حجاب سے آپ ہی اس سے دور ہے پس خدا فرماتا ہے کہ جس نے آئینہ دل کو صاف کرلیا وہ دیکھ لے گا کہ خدا اس کے پاس ہی ہے۔۔۔“ (روحانی خزائن جلد ۱۰ ست بچن صفحات ۲۲۳ ,۲۲۲)

اس شہر میں قیام کیا تھا مسیحؑ نے

امۃ الباری ناصر

مسجد کے واقعہ پہ ہر اک بے قرار تھا
ردِّ عمل ہمارا یہ بے اختیار تھا

اس شہر میں قیام کیا تھا مسیحؑ نے
ان گلیوں اور کوچوں سے حضرت کو پیار تھا

شہر سیال کوٹ میں ٹوٹا ہے جو ستم
یہ واقعہ درندگی کا شاہکار تھا

سو سال سے تھی شان سے مسجد یہاں کھڑی
ملّا کے دل میں دیکھ کے اس کو غبار تھا

شب خون مارا اور اسے مسمار کر دیا
ملبے کا ڈھیر اس کا ہر گنبد منار تھا

یہ خشت و خاک توڑ کے سوچو تو جاہلو
کتنا گرے ہو، کن میں تمہارا شمار تھا

مسجد کا توڑنا ہوا کارِ ثواب اب
ان تاجرانِ دیں کا یہی کاروبار تھا

دل کھول کر بہائے ہیں سجدوں میں رات کو
اپنا تو آنسوؤں پہ ہی بس اختیار تھا

پہلے بھی ابرہہ اٹھے، نابود ہو گئے
کاری بہت شبینہ دعاؤں کا وار تھا

کوئی بھی ترشی کر نہ سکی ہم کو بد مزا
ہم کو تو سچے عشق کا گہرا خمار تھا

تم تو خدا نہیں ہو جو کرتے ہو فیصلے
ایماں کے فیصلے کا کسے اختیار تھا

دنیا میں ہر جگہ پہ بنائیں گے مسجدیں
تقویٰ سے اپنی خوب سجائیں گے مسجدیں

تعلیم الاسلام کالج ربوہ کا ایک بہادر شہید سپوت

ڈاکٹر مظفر احمد شہید، ایم بی بی ایس، ایم ڈی، ایف اے سی اے۔ کی یاد میں

پروفیسر محمد شریف خان، فلاڈلفیا، امریکہ

کچھ دن پہلے رانا عبدالرزاق خان صاحب لندن کی مرتب شدہ تعلیم الاسلام کالج سے متعلق مطبوعہ مضامین پر مشتمل کتاب 'دانشکدہ خورشید' دیکھ رہا تھا۔ تعلیم الاسلام کالج کے خوش نصیب شہید طلباء کی فہرست میں (محمد منیر خان شامی، جمال احمد، مبشر احمد چندھڑ اور ڈاکٹر مہدی علی) کے نام پڑھتے ہوئے شدید احساسِ ندامت ہوا کہ اس فہرست میں پانچویں ہمارے شہید طالب علم ڈاکٹر مظفر احمد شہید ڈیٹرائٹ کا نام سہواً رہ گیا ہے۔

میں ستمبر کی وہ صبح بھول نہیں پا رہا، جب سالوں پہلے تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں بطور استاد میرا ایف ایس سی میڈیکل کی نئی فرسٹ ایئر کلاس کے طلبا سے کلاس روم میں پہلا آمنا سامنا ہؤا۔ نئے طلباء سے تعارف ہو رہا تھا۔ ایک منحنی، سانولے سادہ سے دیہاتی لڑکے نے اپنا تعارف یوں کرایا: میرا نام مظفر احمد ہے، میرے گاؤں کا نام چندر کے مگولے (نام کی ندرت پر ساری کلاس ہنس پڑی)، ضلع چونڈہ ہے میں نے چونڈہ ہائی سکول سے ضلع بھر میں اول پوزیشن لے کر میٹرک پاس کیا ہے۔ میرا ارادہ ڈاکٹر بننے کا ہے۔

بس اُس دن سے عزیزم مظفر احمد کلاس میں "چندر کے مگولے" کے نام سے پکارا اور جانا جانے لگا۔ عزیزم مسکراتا رہتا، کوئی تعارض نہ کرتا۔ مظفر احمد سنجیدہ محنتی طالب علم ثابت ہؤا، ہمیشہ کلاس میں اول رہتا، ایف ایس سی کے بورڈ کے سالانہ امتحان میں اوّل آکر میرٹ سکالرشپ پر کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور میں ایم بی بی ایس میں داخل ہوا۔ کچھ عرصہ کیپٹن ڈاکٹر کے عہدے پر فوج میں کام کیا، خدمتِ خلق سے سرشار ڈاکٹر مظفر صاحب ہمیشہ اپنے اور غیروں کا علاج مفت کرتے اور خدمت خلق پر ہمہ وقت تیار رہتے۔

عزیزم سے جب بھی بعد میں ربوہ میں کسی جگہ ملاقات ہوتی تو اسی خندہ پیشانی سے تعارف کرواتا "سر پہچانا نہیں۔۔چندر کے مگولے"، واقعی اب اس دیہاتی لڑکے کی پہچان مشکل ہو گئی تھی۔ ڈاکٹر صاحب ۱۹۷۶ میں مزید تعلیم کے لئے امریکہ تشریف لے گئے۔ شکاگو میں رِیس مائیکل ہسپتال Michael Reese Hospital میں اینیستھیزیالوجسٹ Anesthesiologist کی ٹریننگ مکمل کی۔ ڈاکٹر صاحب کسی ایسے علاقے میں کام کرنا چاہتے تھے جہاں احمدیوں کی کثرت ہو۔

جماعتی خدمات

ڈاکٹر مظفر احمد ڈیٹرائیٹ امریکہ میں مقیم ہو گئے، اپنی گوناگوں پیشہ ورانہ مصروفیات کے ساتھ ساتھ جماعتی فرائض سے بھی غافل نہیں تھے۔ آپ قائد خدام الاحمدیہ Michigan,Detroit بھی رہے اور آپ نے خدام الاحمدیہ نیشنل معتمد جماعت احمدیہ امریکہ کی حیثیت سے خدمت کی توفیق بھی پائی۔ آپ اکثر علاقے کے اطفال، خدام اور انصار کی تربیتی کلاسیں منعقد کرتے۔ اور ٹیسٹ لے کر انعامات تقسیم کرتے۔ ضرورت مندوں کی ہر طرح سے مدد کرتے۔

عزیزم مظفر احمد بچپن سے ہی پانچ وقت کے نمازی اور خدمتِ خلق اور اطفال اور خدام کے پروگراموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے۔ ربوہ میں طالب علمی کے دوران نہ صرف بہترین طالب علم تھے، بلکہ ہنس مکھ اور وسیع ظرف کے مالک بھی تھے۔ خدام الاحمدیہ کے علمی مقابلہ جات میں حصہ لیتے اور اور اپنی قابلیت اور محنت کے نتیجہ میں انعامات حاصل کرتے۔

تبلیغ کا جنون کی حد تک شوق تھا۔ زیرِ تبلیغ لوگوں کو گھر دعوتوں پر مدعو کرتے اور ان کی ہر طرح سے مدد کرتے۔

واقعہ شہادت

ڈیٹرائیٹ میں افریقن امریکن لوگوں کی تعداد نسبتاً زیادہ ہے اور یہیں احمدیوں کی بھی زیادہ تعداد ہے۔ ۱۹ اگست ۱۹۸۳ کے دن ایک افریقن امریکن تبلیغ کے بہانے آپ کا مہمان ہوا، ڈاکٹر صاحب نے کھانے پر مدعو کیا، تبلیغی تبادلہ خیالات جاری رہا، کھانے کے بعد جب ڈاکٹر صاحب بد بخت مہمان کو گھر کے دروازے سے باہر الوداع کہہ کر لوٹے، تو اس بد بخت نے پلٹ کر آپ پر پیچھے سے پستول سے تابڑ توڑ چھ سات فائر کر کے ڈاکٹر صاحب کو شہادت کے رتبے سے ہمکنار کر دیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اس سفاک ظالم کا ایک ساتھی گھر سے باہر گاڑی میں بیٹھا انتظار کر رہا تھا۔ وہاں سے یہ دونوں مقامی جماعت کے صدر لئیق بٹ صاحب کے گھر بموں سے حملہ آور ہوئے۔ پریذیڈنٹ (صدر) صاحب اللہ کے فضل سے محفوظ رہے۔ پھر ان دونوں نے مقامی مسجد میں آگ لگا دی جس میں یہ دونوں بھی الم ناک موت کا شکار ہوئے، ان کی لاشیں ان دونوں بد بخت ظالموں کی الم ناک موت کا منہ بولتا ثبوت تھیں۔ تحقیق سے پتہ چلا یہ دونوں بلیک مسلم کی تحریک سے وابستہ گمراہ افراد تھے۔

حضرت خلیفۃ المسیح رابعؒ نے اپنے خطبہ جمعہ ۱۲/ اگست ۱۹۸۳ میں ڈاکٹر مظفر احمد کی شہادت کا تفصیل سے ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"اے ڈیٹرائٹ اور امریکہ کے دوسرے شہروں میں بسنے والے احمدیو! اے مغرب اور مشرق میں آباد اسلام کے جاںنثارو! اس عارضی غم سے غمگین نہیں ہونا، یہ ان گنت خوشیوں کا پیش خیمہ بننے والا ہے، اس شہید کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہے۔ اُس راستے سے ایک انچ بھی پیچھے نہ ہٹو جس سے وہ مرد صادق چلتے ہوئے بہت آگے بڑھ گیا۔ تمہارے قدم نہ ڈگمگائیں، تمہارے ارادے متزلزل نہ ہوں۔" (خطباتِ طاہر، جلد ۲، صفحہ ۴۲۱، الفضل ربوہ ۲۳/ اگست ۱۹۸۳ء)

دعا ہے اللہ تعالیٰ شہید کے درجات بلند فرمائے اور شہید کی آل اولاد پر خاص شفقت فرمائے۔ آمین

بقول شخصے:

عاشقوں کا شوقِ قربانی تو دیکھ
خون کی اس رہ میں ارزانی تو دیکھ
ہے اکیلا کفر سے زور آزما
احمدی کی روحِ ایمانی تو دیکھ

احمدیہ مسجد سیالکوٹ کا مِسمار اور احمدی

ظلمت و وحشت کے سائے ہر طرف چھائے ہوئے
آ گئے ہیں در پہ تیرے ہاتھ پھیلائے ہوئے

دل ہمارا ہے دُکھا، رِقّت سے کرتے ہیں دعا
اے مجیب و مُقتدِر! سُن لے ہماری اِلتجا

ہم غلامانِ مسیحِ وقتؑ ہیں سب احمدی
ہم نے پہنچایا سلام اُس کو، جو تھا حکمِ نبیؐ

آخریں میں ہو گئے شامل ہم اُس کو مان کر
مل گئے جا کر صحابہؓ سے یہ عظمت جان کر

نام تیرا لے کے تیرے گھر کو بھی ڈھایا گیا
نفرتوں کے زہر سے سینوں کو برمایا گیا

ظلم کے آگے جھکے، انصاف کا خوں ہوگیا
مُنصفی مَنصَب تھا حاکم کا، کہاں وہ کھو گیا

رحمۃ للعالمینؐ کے نام پر ظلم و سِتم
ہے جہاں ماتم کُناں جتنا بھی ہو اُتنا ہی کم

غیر کے معبد کے بھی ضامن ہوئے تھے مصطفیٰؐ
خوب کی ہے پیروی بس رہ گئی رسمِ دعا

مُضطرِب دل کی دعا، تجھ کو دلوں پر اِختیار
"پھیر دے میری طرف اے سارباں جگ کی مہار"

صادق باجوہ۔ میری لینڈ

تحدیثِ نعمت

عبدالرزاق (ورجینیا۔ امریکہ)

خاندانی تعارف

خاکسار کا نام عبدالرزاق ولد ملک عبدالغفور (مرحوم) ہے۔ خاکسار پیدائشی احمدی ہے اور قوم ککے زئی۔ تاریخ پیدائش ۶ دسمبر ۱۹۴۱ء بمقام دسوہا، ضلع ہوشیار پور انڈیا، تقسیم ہند کے بعد مستقل سکونت ڈسکہ ضلع سیالکوٹ پاکستان ہے۔ کرسچین ہائی اسکول ڈسکہ سے میٹرک کیا۔ اس کے بعد گورنمنٹ کالج سیٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی سے ہائر ایجوکیشن ۱۹۶۷ء میں دوران ملازمت مکمل کی۔ والد صاحب نے ۱۹۲۳ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اپنے خاندان میں اکیلے ہی احمدی ہوئے۔ ان کی والدہ محترمہ یعنی میری دادی محترمہ نے ایک مبارک خواب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کو دیکھا تھا۔ والد صاحب نے اپنی والدہ کی اجازت سے بیعت کی اور خود میری دادی جان نے کبھی زبانی یا تحریری احمدیت نہیں قبول کی۔ ۱۹۵۳ء میں ان کی وفات ہوئی۔ والد صاحب نے ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ والد صاحب انتہائی مخلص احمدی تھے اور زندگی بھر احمدیت یعنی حقیقی اسلام کی تبلیغ کرتے رہے۔ بائیبل کا کافی مطالعہ رکھتے تھے۔ اکثر عیسائی پادریوں سے بحث کرتے۔ تہجد گزار، انسان دوست، نرم دل اور انتہائی باوفا انسان تھے۔ دو مرتبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ والدہ صاحبہ کا تعلق لمین کرال، ضلع گورداسپور انڈیا سے تھا۔ میرے نانا پیدائشی احمدی تھے اور غالباً صحابی بھی تھے۔ والدہ صاحبہ کی پیدائش یکم اکتوبر ۱۹۲۳ء کو ہوئی اور ۱۹۷۰ء میں بعمر ۴۷ سال ان کی وفات ہوئی۔ والد صاحب اور والدہ صاحبہ دونوں صاحب الرویاً تھے۔ والد صاحب نے ۱۰ جنوری ۱۹۷۵ء کے روز وفات پائی۔ ۱۹۷۴ء میں قومی اسمبلی کے فیصلہ کے بعد ڈسکہ کی جماعت میں غالباً یہ پہلی وفات تھی۔ غیر احمدی مولویوں نے سخت بدزبانی کی اور مشترکہ قبرستان میں دفن نہ ہونے دیا۔ انتظامیہ اور پولیس بے بس تھی۔ آخر ایک احمدی دوست نے اپنی زمین پر تدفین کی پیشکش کی اور رات کو تدفین ہوئی۔

خاکسار کے تین بھائی اور تین بہنیں ہیں۔ بھائیوں میں ملک عبدالستار صاحب اسلام آباد میں پراپرٹی ڈیلر ہیں، اعجاز احمد اسلام آباد میں مقیم ہیں اور ملک ارشد منیر صاحب مالک رائس ملز، ڈسکہ ضلع سیالکوٹ ہیں۔

خاکسار کی شادی ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کو شیخ محمد عبداللہ صاحب کی صاحبزادی بشریٰ پرویز صاحبہ سے ہوئی۔ شیخ صاحب کا تعلق کھارا قادیان، انڈیا سے تھا۔ آپ پیدائشی احمدی تھے۔ سَن ۱۹۰۲ء سے صحابی تھے۔ حضرت شیخ نوراحمد صاحب صحابی اور مختار عام حضرت مسیح موعود علیہ السلام، شیخ محمد عبداللہ صاحب کے ماموں تھے۔ شیخ نور الحق صاحب جو حضرت شیخ نور احمد صاحب کے پوتے تھے، میرے ہم زلف تھے اور جامعہ احمدیہ ربوہ دارالبرکات کے سامنے والے گھر میں مقیم تھے۔

ملازمت کا آغاز اور احوال

۲۵ فروری ۱۹۶۵ کو خاکسار نے وفاقی وزارت داخلہ پاکستان میں ملازمت کا آغاز کیا۔ جماعت اسلام آباد اس وقت ۱۶-۱۸ گھروں پر مشتمل تھی۔ خاکسار کے علاوہ مکرم منیر احمد سنوری، عبدالواحد ورک، منیر احمد ڈار کو مختلف جماعتی عہدوں پر خدمت بجا لانے کی توفیق ملی۔ ملک حفیظ الرحمٰن صاحب صدر جماعت اسلام آباد تھے۔ قریشی نورالحسن، سیکشن آفیسر، منسٹری آف کامرس کے گھر نماز جمعہ ہوتی تھی۔ ۱۹۶۹ء میں چوہدری عبدالحق صاحب ورک امیر جماعت اسلام آباد مقرر ہوئے۔ ایف-۷ کی مسجد کا سنگ بنیاد حضرت خلیفۃ المسیح ثالث رحمہ اللہ نے رکھا۔ عارضی مسجد بنائی گئی۔ جو اب خدا کے فضل سے ایک عالیشان مسجد ہے۔ مکرم منیر احمد فرخ امیر جماعت اسلام آباد کے وقت میں اس کی تعمیر مکمل ہوئی۔

۱۹۷۲ء کے قومی الیکشن کے بعد پہلی بار عوامی حکومت ذوالفقار علی بھٹو نے بنائی۔ خان عبدالقیوم خان وفاقی وزیر داخلہ مقرر ہوئے۔ خاکسار کو پرسنل سیکریٹری، وزیر داخلہ مقرر کیا گیا۔ ۱۹۷۵ء تک وزیر داخلہ کے ساتھ کام کیا۔ وزیر صاحب کو میرے احمدی ہونے کا علم تھا۔ وزیر داخلہ تین ڈویژن کے وزیر

تھے اور لاکھوں روپیہ سیکرٹ فنڈ میں ہوتا تھا۔ وزیر صاحب خاکسار پر بہت اعتماد کرتے تھے۔ تمام سیکرٹ فنڈ کا تحریری حساب رکھا جاتا تھا۔ ۱۹۷۷ء کے مارشل لأ کے بعد خاکسار کو فوجی عدالت میں انکوائری کا سامنا کرنا پڑا حالانکہ سیکرٹ فنڈ کا آڈٹ نہیں ہوتا۔ فوجی عدالت خان عبدالقیوم خان کے خلاف خاکسار سے ایک حلفیہ بیان لینا چاہتی تھی، جو خاکسار نے دینے سے انکار کر دیا اور اپنی ملازمت کو داؤ پر لگا دیا۔ بعد ازاں خدا کے خاص فضل سے خاکسار کو بری کر دیا گیا۔

۱۹۷۴ء میں قومی اسمبلی کے فیصلے کے بعد خاکسار کے لئے کافی سیکیورٹی کے مسائل پیدا ہوگئے تھے۔ خاکسار کو قتل کرنے کی سازش پکڑی گئی۔ وزیر صاحب نے خاص حفاظت کا بندوبست کر دیا۔ سیکریٹری وزارت داخلہ بریگیڈیر مظفر صاحب، خاکسار کو وزارت داخلہ سے نکالنے پر بضد تھے۔ احمدی افسروں کو وزارت داخلہ میں رکھنا حفاظتی خطرہ سیکیورٹی رسک riskخیال کیا جارہا تھا۔ وزیر داخلہ نے انتہائی مہربانی فرماتے ہوئے خاکسار کو وزارت داخلہ کے ماتحت محکمہ جات یعنی ایف آئی اے، پاسپورٹ یاشناختی کارڈ میں سے کسی ایک میں چلے جانے کی تجویز دی۔ تجویز بہت اچھی تھی۔ خاکسار نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ سے دعا کی درخواست کی۔ حضور ان دنوں اسلام آباد تشریف لائے ہوئے تھے۔ فرمایا، کل نماز عشاء کے بعد فیصلہ کریں گے۔ اگلے دن حضور سے ملاقات ہوئی تو حضور نے فرمایا امیگریشن اور پاسپورٹ کے محکمہ میں چلے جاؤ، یہ زیادہ بہتر رہے گا۔ خاکسار نے وزیر صاحب سے عرض کر دیا۔ چنانچہ ۲۰ فروری ۱۹۷۵ء کو وزیر صاحب نے خاکسار کے بطور پاسپورٹ آفیسر اسلام آباد تعیناتی کے آرڈر جاری فرما دیئے۔ خاکسار نے ۲۵ فروری ۱۹۷۵ء کو نیا عہدہ سنبھال لیا۔ ۱۹۷۵ء سے ۱۹۹۰ء تک خاکسار کبھی پاسپورٹ آفس اسلام آباد اور کبھی ہیڈ کوارٹر میں تعینات رہا۔

حضرت مرزا طاہر احمد صاحب سے ملاقات

۱۹۸۲ء کے دوران غالباً مئی میں حضرت میاں طاہر احمد صاحب مع ایک اور دوست کے پاسپورٹ آفس اسلام آباد میں تشریف لائے۔ ان کے پاسپورٹ کے صفحات ختم ہو رہے تھے اس لئے پاسپورٹ تجدید کی درخواست دی۔ خاکسار نے انتہائی احترام کے ساتھ درخواست جمع کر لی۔ عارضی پتہ بیت الفضل، ایف۔۸ کا درج تھا۔ چائے، ٹھنڈے مشروب کے لئے عرض کی تو فرمایا ایک گلاس سادہ پانی پلا دو۔ ایک ہفتہ بعد پاسپورٹ لینے تشریف لائے۔ خاکسار نے حضرت خلیفۃ المسیح ثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کی صحت کے متعلق دریافت کیا (حضور ان دنوں بیمار تھے) تو حضرت میاں صاحب نے حیرت سے پوچھا کہ کیا میں جماعت احمدیہ سے کوئی ہمدردی رکھتا ہوں اس پر خاکسار نے اپنا مکمل تعارف کروایا تو بہت خوش ہوئے۔ یہ خاکسار کا پہلا تعارف تھا حضرت میاں طاہر احمد صاحب (حضرت خلیفۃ المسیح رابع رحمہ اللہ تعالیٰ) سے۔

۹ جون ۱۹۸۲ء کو حضرت خلیفۃ المسیح ثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کا وصال ہو گیا۔ خاکسار، اپنے بڑے بیٹے عزیزم محمد عمران خان کے ساتھ بیت الفضل چلا گیا۔ فضا بہت سوگوار تھی۔ حضرت میاں طاہر احمد صاحب ساری جماعت کو دعائیں کرنے کی تلقین فرما رہے تھے۔ ۱۰ جون ۱۹۸۲ء کو خاکسار ربوہ میں تدفین میں شرکت کی غرض سے چلا گیا۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح رابع رحمہ اللہ تعالیٰ کے انتخاب پر ان کی بیعت کا شرف حاصل کیا۔ بعد ازاں حضرت صاحب مسجد بشارت سپین کا افتتاح فرمانے کے لیے تشریف لے گئے۔

حکومت کی جانب سے خلیفۃ المسیح کے بیرون ملک جانے پر پابندی

۱۹۸۳ء اگست یا ستمبر میں وزارت داخلہ کی طرف سے ایک سرکلر Circular BL/ECL جاری ہوا۔ اس سرکلر میں حضرت مرزا ناصر احمد صاحب Head of Ahmadiya Movement سربراہ سلسلہ احمدیہ کے ملک سے باہر جانے پر پابندی لگائی گئی تھی۔ اس وقت تک حضرت خلیفۃ المسیح ثالث رحمہ اللہ تعالیٰ انتقال فرما چکے تھے اور حضرت مرزا طاہر احمد، خلیفۃ المسیح رابع تھے۔ اس سرکلر سے اس کا اندازہ ہوتا تھا کہ وزارت داخلہ کس قدر لاعلم اور غافل تھی۔ خاکسار نے عبدالقدیر صدیقی ڈپٹی سیکریٹری وزارت داخلہ کو فون کرنے کی کوشش کی کیونکہ ان کے دستخط سے یہ سرکلر جاری ہوا تھا۔ مقصد فون کال کا یہ تھا کہ ان کو اس غلطی پر اطلاع دی جائے۔ فون مصروف ملا۔ دوبارہ تھوڑی دیر بعد فون کیا، ان کا فون نمبر پھر مصروف ملا۔ اس کے بعد خدا کی تقدیر نے یہ بات میرے ذہن سے مکمل طور پر مٹا ڈالی کہ میں نے اس موضوع پر قدیر صدیقی صاحب سے بات کرنی ہے۔ صدیقی صاحب میرے اچھے دوست تھے مگر بعد ازاں کئی سرکاری اور نجی ملاقاتوں میں بھی کبھی اس

مسئلہ پر ان سے بات کرنے کا خیال تک نہ آیا۔ خدانخواستہ اگر میری ان سے بات ہو جاتی اور سرکلر میں تصحیح ہو جاتی تو خدا جانے کیا ہوتا! مگر میرا ایمان ہے کہ خدا تعالیٰ کبھی اپنے پیاروں کو رسوا نہیں ہونے دیتا اور ان کی حفاظت فرماتا ہے۔ اسی لئے شاید خدا تعالیٰ نے میرے ذہن سے یہ بات مکمل طور پر نکال دی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاسپورٹ کا اجرا اور خاکسار کے خلاف تحقیقات

غالباً اکتوبر ۱۹۸۳ء میں شیخ عبدالوہاب صاحب امیر جماعت اسلام آباد نے خاکسار کو فون کیا کہ حضور کا نیا پاسپورٹ بنوانا ہے۔ عرض کی کہ اپنے خط کے ساتھ حضور کی نئے پاسپورٹ کے واسطے درخواست خاکسار کو بھیج دیں۔ شیخ صاحب اس وقت ڈپٹی سیکریٹری الیکشن کمیشن پاکستان تھے۔ خاکسار نے تمام قانونی تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے درخواست برانچ میں بھجوا دی۔ غرض حضور کا نیا پاسپورٹ، BL/ECL برانچ سے کلئیر ہونے کے بعد میرے دستخط سے جاری ہو گیا۔ اس میں کوئی غیر قانونی یا favor لحاظ کا عنصر شامل نہیں تھا۔ اس پاسپورٹ پر عارضی پتہ بیت الفضل ایف ۔۸ (F8)) کا درج تھا۔ یہ میرے اختیار میں تھا کہ میں اسلام آباد کے کسی عارضی رہائشی کو تمام قانونی تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے، اسلام آباد آفس سے پاسپورٹ جاری کر سکتا تھا۔ ۱۹۸۴ء میں جماعت احمدیہ کے خلاف صدر پاکستان ضیاءالحق نے بدنام زمانہ آرڈیننس جاری کیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح رابع رحمہ اللہ تعالیٰ کو ۳۰؍اپریل ۱۹۸۴ء کو لنڈن ہجرت کرنی پڑی تو پاکستان میں ایک بھونچال آ گیا۔ ۳، ۴؍مئی ۱۹۸۴ء کو خفیہ محکموں مثلاً ایف آئی اے، آئی ایس آئی، آئی بی پولیس سپیشل برانچ کے نمائندے حضور کے پاسپورٹ appplication فارم کی نقل لینے میرے دفتر آ گئے۔ خاص طور پر آئی بی کے ایس پی نسیم قریشی صاحب میرے دفتر آئے اور بڑے غصے میں مجھے کہنے لگے کہ تم نے مرزا صاحب کو پاسپورٹ جاری کر دیا اور باہر بھجوا دیا ہے حالانکہ ان کا نام BL/ECL میں تھا۔ نسیم قریشی صاحب سے میری بڑی پرانی دوستی تھی اور ان کی ڈیوٹی اکثر بیت الفضل F8 اسلام آباد پر ہوتی تھی اس لئے ان سے ملاقات رہتی تھی۔

نسیم قریشی نے مجھے دوسرا سوال نامہ جاری کیا۔

ا۔ کیا تم احمدی ہو؟

ب۔ اگر تم احمدی ہو تو بتاؤ کہ Head of the Ahmadiyya Movement کون ہوتا ہے؟ خلیفہ وقت یا کوئی اور شخص بھی ہو سکتا ہے؟ (یاد رہے کہ حکومت کے BL/ECL میں حضرت مرزا ناصر احمد صاحب پر بطور جماعت احمدیہ کے سربراہ Head of the Ahmadiyya Movement بیرون ملک جانے کی پابندی لگائی گئی تھی)۔

یہاں نسیم قریشی کا نکتہ بہت صائب (valid) تھا۔ میں نے جواباً لکھا صرف خلیفۂ وقت۔

نسیم قریشی نے دوسرا نکتہ یہ اٹھایا کہ صدر پاکستان کے ایک حکم مجریہ ۱۹۷۷ء کے مطابق اہم شخصیات یعنی Eminent Persons کو خواہ ان کا نام BL/ECL میں نہ بھی ہو، پاسپورٹ وزارت داخلہ کی اجازت کے بغیر جاری نہیں ہو سکتا۔ اور مجھے کہا کہ تم نے اپنے خلیفہ صاحب کو پاسپورٹ جان بوجھ کر غیر قانونی طور پر اور اپنی حیثیت کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے جاری کیا ہے۔ تمہیں ان کا کیس رکاوٹوں اور موانعات کی دوری clearance کے لیے وزارت داخلہ کو بھجوانا چاہیے تھا۔

اس پر میری وضاحت یہ تھی کہ:

مرزا طاہر احمد صاحب کا اس سرکلر میں نام نہیں ہے۔ یہ سرکلر وزارت داخلہ پاکستان نے جاری کیا ہے۔ اگر کوئی غلطی ہے تو اس کی تصحیح وزارت داخلہ کی ذمہ داری ہے، میری نہیں۔ مرزا طاہر احمد صاحب ایک عالمی مذہبی جماعت کے روحانی پیشوا ہیں اور کوئی سیاسی شخصیت نہیں۔ صدر پاکستان کا سرکلر مجریہ ۱۹۷۷ء سیاسی شخصیات بشمول ممبران قومی اسمبلی یا ممبران سینیٹ سے متعلق ہے۔ سرکلر میں واضح طور پر PersonsPolitical Eminent کا ذکر ہے۔ چونکہ مرزا طاہر احمد صاحب نہ سیاسی لیڈر ہیں اور نہ ان کا سیاست سے کوئی تعلق بنتا ہے اس لیے وزارت داخلہ کو ان کا معاملہ case بھجوانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور کسی clearance کی ضرورت نہیں۔

اس پر نسیم قریشی صاحب نے طیش میں آ کر مجھے دھمکی دی کہ میں تمہارے خلاف شکایت نامہ summary بنا کر بھجواؤں گا اور تم بھی میرے ساتھ ہی سزا پاؤ گے۔ چنانچہ انہوں نے میرے خلاف خوب لکھا اور

summaryوزارت داخلہ کی رپورٹ کے ساتھ حکام بالا تک گئی مگر خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے مجھے کبھی کوئی نوٹس جاری نہیں ہوا اور نہ ہی مزید جواب طلبی ہوئی۔ البتہ نسیم قریشی ایس پی، آئی بی، چند ماہ بعد جبری طور پر ریٹائر کر دیئے گئے۔ فاعتبروا یااولی الابصار!

فروری ۱۹۸۵ء میں میرا بڑا بیٹا محمد عمران خان لندن وزٹ ویزے visit visaپر اپنے کزن کے پاس چلا گیا۔ جولائی ۱۹۸۵ء میں میرے خلاف سینیٹر قاضی لطیف نے سینیٹSenate پاکستان میں سوالنامہ جمع کروایا کہ کتنے احمدی افسر محکمہ پاسپورٹ میں کام کرتے ہیں؟ یہ محکمہ ایک حساس sensitive محکمہ ہے۔ نیز ایک احمدی پاسپورٹ آفیسر کس طرح ایک سٹیشن پر دس سال سے کام کر رہا ہے جب کہ ایک افسر ایک سٹیشن پر صرف تین سال تک رہ سکتا ہے؟ میرے حکام بالا نے مکمل طور پر میرا دفاع کیا اور جوابی سمری summaryوفاقی وزیر داخلہ اور سینیٹ پاکستان میں جمع کروادی۔ نیز کسی اور دفتر میں میرا تبادلہ کرنے سے بھی معذرت کر دی۔ وزیر داخلہ کے بیان کی یہ خبر اخبار جنگ کے پہلے صفحے پر لگی کہ مسٹر عبدالرزاق پاسپورٹ افسر اسلام آباد قادیانی ہے۔ غیر احمدی دوست احباب نے قدرے حیرت کا اظہار کیا اور چند ایک نے میرے ساتھ ہمدردی بھی ظاہر کی۔ جنگ لندن میں بھی یہ خبر لگی۔ مجھے خدشہ تھا کہ میرے خلاف شاید کوئی تحقیق inquiry ہو رہی ہے، چونکہ سینیٹ پاکستان میں یہ سوال اٹھایا جا چکا تھا تو شاید میرے ساتھ کچھ ہونے والا ہے۔ خاکسار نے اس بات کو جانچنے کے لئے (کہ میرے خلاف کوئی قدم اٹھایا جانے والا ہے یا نہیں)، بیرون پاکستان جانے کے لئے ملازمت سے رخصت Ex-Pakistan leave کی درخواست دے دی کہ خاکسار نے لندن جا کر اپنے بیٹے کے مستقبل کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنا ہے۔ ڈائریکٹر جنرل پاسپورٹ نے مجھے ڈیڑھ ماہ کی چھٹی دے دی۔ اس سے مجھے یقین ہو گیا کہ میرے خلاف کوئی تحقیق inquiry نہیں ہو رہی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے ملاقاتیں

خاکسار ۱۹۸۶ء کے جلسہ سالانہ پر لندن چلا گیا۔ حضور رحمہ اللہ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا تم بڑے مشہور ہو گئے ہو اخبارات میں تمہاری خبریں لگتی ہیں۔ اور پھر فرمایا کہ میں تمہارے لئے بہت دعائیں کرتا تھا کہ میری ہجرت کے بعد تم پر بہت مشکلیں آئی ہوں گی کیونکہ تم نے مجھے پاسپورٹ جاری کیا تھا۔ عرض کیا حضور میں آپ کی دعاؤں سے بالکل محفوظ ہوں اور آج آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ پھر میں لندن سے واپس آ گیا اور عمران بھی نومبر ۱۹۸۷ء میں پاکستان واپس آ گیا۔

۱۹۸۵۔۱۹۸۶ء کے دوران جامعہ احمدیہ ربوہ کے بعض غیر ملکی طالب علم ایسے تھے جن کے ویزے ختم ہو گئے اور جن کی معیاد نہیں بڑھائی گئی تھی۔ ایس پی جھنگ نے پچاس سے زائد ایسے طلباء کے ملک چھوڑنے کے احکام جاری کر دیئے تھے جو شاید دفتری غلطی یا لاعلمی کا نتیجہ تھا۔ ہمارے دو مربی صاحبان، ملک محمد اکرم (حال مقیم لندن یا گلاسگو) اور لئیق احمد طاہر صاحب (مقیم لندن) میرے دفتر میں تشریف لائے۔ خاکسار نے فوری طور پر وزارتِ داخلہ سے منظوری کے بعد ایس پی جھنگ کا حکم نامہ منسوخ کروادیا اور وزارت مذہبی امور اور وزارتِ تعلیم سے اجازت لے کر ایسے تمام طالب علموں کے ویزے ان کے کورس مکمل ہونے تک بڑھا دیئے اور حکم جاری کر دیا۔ اس کے علاوہ خاکسار کو اس سے پہلے ۱۹۷۳ء میں خدمت خلق کے طور پر یہ توفیق بھی ملی کہ محکمہ شناختی کارڈ میں تیس سے پینتیس لوگوں کو بھرتی کیا جن میں کچھ احمدی تھے اور بقیہ غیر احمدی اور ڈسکہ کی سکونت رکھنے والے تھے۔

۱۹۹۲ء کے دوران خاکسار کو دل کا عارضہ لاحق ہو گیا۔ علاج کے لئے سرکاری خرچ پر لندن جانے کی منظوری ہو گئی۔ عمران بیٹا میرے ساتھ تھا۔ ۵ جولائی ۱۹۹۲ء کو لندن چلا گیا۔ حضور انور سے ملاقات ہوئی۔ فرمایا مجھے تمہاری بہت ضرورت تھی، شکر ہے تم خود ہی آ گئے۔ مجھے تمہارے تحریری بیان کی ضرورت ہے کہ مجھے پاسپورٹ قانونی تقاضے پورے کرنے کے بعد جاری ہوا تھا اور کوئی خلاف ضابطہ کام نہیں ہوا۔ چند سیکنڈ کے بعد فرمایا اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو تمہارا بیان ریکارڈ کر لیا جائے۔ عرض کیا حضور جیسے حکم کریں۔ غرض حضور انور کے حکم کے مطابق میرا بیان ریکارڈ ہوا۔ یہ بیان قریباً ۱۸-۱۹ منٹ پر مشتمل تھا۔ عمران اس ملاقات میں میرے ہمراہ تھا۔ تمام واقعات جو میں اس مضمون میں بیان کر چکا ہوں، جن میں قدیر صدیقی کو ٹیلی فون والی بات اور ایس پی، آئی بی کی غصے میں دھمکی، سب کچھ ریکارڈ کروادیا۔ ایک مقام پر حضور

نے بڑے جلال سے فرمایا کہ تمہیں خدا نے وہ والی بات بھلا دی اور پھر حضور انور رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایئرپورٹ پر جہاز کی تاخیر اور ایف آئی اے والوں کی پریشانی والا واقعہ (جو کتاب، ایک مردِ خدا، میں درج ہے) خود خاکسار کو سنایا۔ حضور نے فرمایا کہ یہ ریکارڈ شدہ بیان میری ذاتی لائبریری میں رہے گا۔ حضور نے علاوہ ازیں اس خاکسار سے اس BL/ECL سرکلر کی کاپی طلب فرمائی جو خاکسار نے بعد میں محفوظ طریقے سے حضور کی خدمت میں بھجوادی۔

حضور نے مجھے ہومیو پیتھک دوا عنایت فرمائی اور انجیو گرافی کروانے کے بعد دوبارہ حاضر ہونے کی تلقین کی۔ انجیو گرافی کرنے والے ڈاکٹر کے مطابق دو خون کی نالیوں میں بندش تھی اور بہتر علاج انجیو پلاسٹی Angioplasty تھا۔ خاکسار نے دوسری رائے کے لئے کرامویل ہسپتال کے ڈاکٹر سے بھی مشورہ کیا۔ اس کے مطابق بہتر علاج بائی پاس آپریشن تھا۔ خاکسار نے حضور انور کی خدمت میں حاضر ہو کر سب کچھ عرض کر دیا۔ حضور نے فرمایا کہ بائی پاس کے انتخاب کا اختیار option تو ہر وقت ہمارے پاس ہے البتہ فی الحال انجیو پلاسٹی بہتر رہے گی۔ میری پریشانی دیکھتے ہوئے حضور انور نے میرے بیٹے عمران سے فرمایا کہ تمہارا ابا پ بہت پریشان لگتا ہے۔ ان شاءاللہ انجیو پلاسٹی کروانے کے بعد خوش و خرم مجھے ملنے آئے گا۔ چنانچہ ۶/اگست ۱۹۹۲ء کو حضور انور کے ارشاد کے مطابق انجیو پلاسٹی کروائی گئی۔ اور خدا تعالیٰ کے فضل سے حضورِ انور کا کہا ہوا پورا ہوا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔ غرض ۱۹۹۲ء کے جلسہ سالانہ میں شمولیت کی توفیق ملی۔ لندن کے اس قیام کے دوران یہ بات خاص طور پر ذکر کے لائق ہے کہ مکرم میجر محمود احمد صاحب (افسر حفاظت حضرت خلیفۃ المسیح) نے مجھے اور میرے بیٹے کو اپنا کیبن رہائش کے لئے دے دیا اور خود ایک دفتر میں زمین پر بستر بچھا کر سوتے رہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ آمین۔ سارا عرصہ مسجد فضل لندن میں حضور انور کا دیدار ہوتا رہا۔ نمازیں پڑھتے رہے اور خدا کا شکر ادا کرتے رہے۔ بڑا روحانی ماحول تھا۔

۱۹/اگست ۱۹۹۲ء کو ہماری اگلی منزل امریکہ تھی۔ امریکہ کے بعد ہم ۷/ستمبر ۱۹۹۲ء کو واپس اسلام آباد آگئے۔ امریکہ آنے سے قبل حضور انور سے ۱۸/اگست ۱۹۹۲ء کو ملاقات کی اجازت ملی۔ فوٹو بنائی گئی۔ اچانک میرے منہ سے نکل گیا کہ حضور میرے دل پر ہاتھ رکھ کر دُعا فرمائیں۔ حضور انور مسکرائے اور فرمایا اچھا دعا کر دیتا ہوں۔ دعا کرنے کے بعد فرمایا کہ ان شاءاللہ بائی پاس کی نوبت نہیں آئے گی۔ آج تک خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے خاکسار ٹھیک ہے۔ اس سلسلے میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ سن ۲۰۰۸ میں لاہور کے ڈاکٹرز ہاسپٹل سے انجیو گرافی کروائی تو پتا چلا کہ وہ بیماری نیچے کی کسی خون کی نالی میں چلی گئی ہے اور ادویات سے ہی اس کا علاج ہو سکتا ہے، بائی پاس کی ضرورت نہیں۔ امریکہ روانگی سے پہلے میں نے حضور انور سے اپنے افرادِ خاندان کے لئے اور اپنی ترقی (پروموشن) کے لئے دعا کے واسطے عرض کیا تھا۔ قیام اسلام آباد کے دوران حضور نے ایک رات خواب میں مجھے فرمایا کہ میں نے تمہارے دوسرے کام یعنی ملازمت میں ترقی کے لئے دعا کی تھی ان شاءاللہ وہ کام بھی ہو جائے گا۔ یہ بات خدا کے فضل سے ایسے پوری ہوئی کہ ۱۱/ستمبر ۱۹۹۲ء کو محکمہ کی طرف سے گھر ٹیلیفون آیا کہ تمہیں ترقی دے کر (پروموٹ کر کے) ڈپٹی ڈائریکٹر لاہور لگا دیا گیا ہے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

۱۹۹۴ء میں معاینہ (follow-up) کے لئے دوبارہ لندن چیک کروانے ہسپتال گیا۔ انہی دنوں میں حضور انور سے بھی ملاقات ہوئی۔ پھر ستمبر، اکتوبر ۱۹۹۵ء میں خاکسار کو مزید ترقی دے کر کراچی میں سندھ اور بلوچستان کا ڈائریکٹر لگا دیا گیا۔ اور ۶/دسمبر ۲۰۰۱ء کو خاکسار کراچی سے ریٹائر ہو گیا۔ ۱۹۹۶ء کے دوران خاکسار اپنی اہلیہ کے ہمراہ لندن گیا اور حضور انور سے ملاقات کا موقع ملا۔ پھر امریکہ آیا اور بیت الرحمٰن، میری لینڈ مسجد کا افتتاح دیکھا۔ پھر جب حضور کینیڈا میں تھے تو وہاں مع فیملی حضور سے ملاقات کا موقع ملا۔ حضور نے فرمایا میں محسوس کر رہا ہوں کہ تم مستقل قیام کے لئے سروے کر رہے ہو۔ عرض کیا حضور ابھی تو سیر کرنے آیا ہوں۔ فرمایا تمہاری ریٹائرمنٹ کب ہو گی۔ خاکسار نے عرض کیا ۶/دسمبر ۲۰۰۱ء۔ فرمایا ابھی کافی وقت ہے اگر تمہاری صحت اجازت دیتی ہے تو جماعت کو ابھی تمہاری ضرورت ہے۔ میری اہلیہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اس کو ابھی وظیفہ پر علیحدگی یعنی ریٹائرمنٹ نہ لینے دینا۔ خاکسار نے عرض کی کہ حضور جیسے آپ کا حکم۔ اور پھر اس خاکسار نے ریٹائرمنٹ کا خیال دل سے نکال دیا حالانکہ اس وقت میری پوری فیملی کے لندن، امریکہ اور کینیڈا کے ویزے لگے ہوئے تھے اور ہم سب ذہنی طور پر کہیں مستقل رہائش کا سوچ رہے تھے۔ مگر حضور انور کے حکم کے

بعد فیصلہ بدل دیا۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک۔

خاکسار اگست ۱۹۹۹ء میں اپنے بیٹے عرفان احمد (مقیم لندن) کی شادی کرنے فیملی کے ہمراہ لندن گیا۔ شادی کے بعد حضور انور سے ہماری فیملی ملاقات ہوئی۔ حضور انور نے عرفان کی بیوی (جو برٹش نیشنل تھی) کو مخاطب کر کے خاکسار کی جماعتی خدمات کے متعلق بہت خوش کن اور دعائیہ الفاظ میں اظہار فرمایا۔ الحمدللہ علیٰ ذالک۔

ریٹائر منٹ کے بعد سنہ ۲۰۰۲ میں خاکسار لندن گیا اور حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی اس لئے مختصر ملاقات ہوئی۔ اپریل ۲۰۰۳ میں حضرت خلیفۃ المسیح رابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات پر لندن گیا اور نماز جنازہ اور تدفین میں شرکت کی توفیق ملی۔ ۲۲ر اپریل ۲۰۰۳ء کو حضرت خلیفۃ المسیح خامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے شرف ملاقات حاصل ہوا۔ اس دوران خاکسار کو اپنا مکمل تعارف کروانے کی توفیق ملی اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاسپورٹ اور ۱۹۹۲ء میں حضور رحمہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات اور بیان کے ریکارڈ کے متعلق تفصیل سے ذکر کیا۔

(نوٹ: ان واقعات کا مختصر بیان کتاب، تاریخ احمدیت اسلام آباد، میں صفحہ ۸۱۰ سے شروع ہوتا ہے۔ نیز مصنف کے مطابق یہ واقعات اسفندیار منیب صاحب، دفتر تاریخ احمدیت کو بھی بھجوائے جا چکے ہیں۔ ناقل)

عزیز از جاں ماں!

(شازیہ احمد۔ فلاڈیلفیا)

میری پیاری امی میمونہ سلطانہ ۶ر جنوری ۲۰۱۷ء بروز جمعہ اپنے خالق حقیقی سے جاملیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُونَ ۔

مجھے اپنے ربّ پر کامل ایمان ہے ۔ اُس کی محبت اور غفورالرحیم ہونے پر ایمان ہے ۔ اسی ایمان کے سبب مجھے کبھی موت سے ڈر نہیں لگا۔ اگر کبھی کوئی میرے سامنے موت سے خوف کا اظہار کرتا تو میں حیرت سے کہتی کہ کوئی اپنے ربّ کے پاس جانے سے کیوں ڈرتا ہے جب ہمارا یہ ایمان ہے کہ خدا ہمیں ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرتا ہے ۔ آج جب میں نے اپنی سب سے پیاری اور قیمتی ہستی کو رخصت کیا تو احساس ہوا کہ موت کیا ہے۔ کل نفس ذائقۃ الموت۔

میری امی ۱۶ر اکتوبر ۱۹۹۱ء میں جبل پور (انڈیا) میں پیدا ہوئیں۔ تقسیم ہند کے وقت میرے نانا محترم علی شیر ڈوگر جو کہ جبل پور میں ڈپٹی کمشنر کے عہدے پر فائز تھے۔ حکومت نے ان کو اسی عہدے پر پاکستان ہجرت کے بعد فیصل آباد میں فائز کیا۔ چار سال کے بعد نانا جان کی تبدیلی شیخوپورہ میں ہوگئی۔ میرے نانا جان بہت غریب پرور اور ملنسار تھے ۔ اپنی اسی ہر دلعزیز طبیعت کے باعث ایک سال کے بعد مسلم لیگ کی طرف سے انتخاب میں حصہ لے کر، الیکشن لڑ کر MNA رکن قومی اسمبلی منتخب ہوئے۔

۱۷سال کی عمر میں میری امی کی شادی میرے والد محترم سے ۶ر جنوری ۱۹۵۲ء میں ہوئی ۔ ہمارا آبائی گاؤں ۹ چک پنیار ہے لیکن میرے دادا محترم نے گاؤں سے ۵ میل دُور اپنی زمینوں پر ڈیرہ (فارم ہاؤس) بنایا ہوا تھا اور وہیں رہائش پذیر تھے۔ اس ڈیرے کے ساتھ گیارہ کے قریب ملازمین کی رہائش گاہیں بنائیں ۔ ان میں رہنے والے لوگ ہماری زمینوں اور گھر میں کام کرتے ہیں، یہ لوگ ہمارے خاندان کی طرح ہیں۔ میری امی جب بیاہ کر اس گھر میں آئیں تو شروع میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ شہر کی زندگی کی عادی تھیں ۔ لیکن بہت جلد اس مشکل پر قابو پاکر اس گھر کو اپنی مرضی کے مطابق سنوارنا شروع کر دیا۔ مالی رکھ کر خوبصورت لان بنوایا۔ جہاں ہم بہن بھائی بیڈمنٹن کھیلا کرتے۔

نرم دِل اور خدمت گزار

امی بہت نرم دِل اور حساس طبیعت کی مالک تھیں میرے والد اپنے بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹے ہیں۔ میرے دادا جان اور دادی جان ہمیشہ ہمارے ساتھ رہے ۔ میرے دادا جان کچھ سخت طبیعت کے مالک تھے لیکن امی کی خدمت گزاری اور بُرا نہ ماننے کی عادت کے باعث بہت جلد آپ سے محبت اور عزت کرنے لگے۔ اکثر مذاق میں کہتے کہ یہ سیاستدان کی بیٹی ہے۔ اس کو دِلوں کو

جیتنا آتا ہے۔ یہی حال میری دادی جان کا تھا امی زیادہ تر ان دونوں کے کام خود کرتیں جب کبھی کچھ دنوں کے لئے اپنے میکے رہنے جاتیں تو پھوپھو رہنے کے لئے آتیں۔ میں نے ہمیشہ دونوں کو پھوپھو سے بولتے سُنا کہ تم ہمیں سخت ہاتھ لگاتی ہو۔ میمونہ کے ہاتھ نرم ہیں وہ ہمارا کام نرمی اور محبت سے کرتی ہے ۔ بڑھاپے میں دادا کو بھول جانے کی عادت تھی جس کی وجہ سے اپنے بچوں اور نوکروں پر ناراض ہو جاتے لیکن امی کے سمجھانے پر سمجھ جاتے۔

میرے نانا جان اپنی وفات سے ٦ ماہ قبل بے ہوشی کی حالت میں رہے ۔اُس وقت میرے دونوں ماموں چھوٹے تھے میری امی نے اپنے دو چھوٹے بچوں کے ساتھ ٦ ماہ تک مستقل اپنے والد کی خدمت کی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ یہ خدمت ہمارے والد کے تعاون کے بغیر نہیں کر سکتی تھیں۔ اپنی اسی پیاری عادت کی وجہ سے جب بھی کسی بہن بھائی چاہے وہ اپنے ہوں یا میرے والد کے ضرورت کے وقت خدمت پر حاضر ہوتیں۔ جب میری چھوٹی ممانی جوانی کی عمر میں چل بسیں تو بہت عرصہ امی ماموں کے گھر ان کے بچوں کا خیال رکھنے کے لئے رہیں ان کے بچے امی سے اپنی ماں کی طرح پیار کرتے ہیں۔ امی ملازموں کے ہونے کے باوجود میرے والد کے سارے کام خود کرتیں۔ اُن کی ہر ضرورت اُن کے کہے بغیر پوری کرتیں جب گرمیوں میں زمینوں پر کام کروا کر گھر آتے تو پہلے سے ہی لسی بنا کر فریج میں رکھ دیتیں کہ میرے ابا کو انتظار نہ کرنا پڑے۔ کپڑے استری کر کے پہلے سے ہی باتھ روم میں لٹکا دیتیں۔

غریب پرور

امی ہمیشہ کہتیں کہ مجھ سے کسی کی بیماری اور بھوک برداشت نہیں ہوتی ۔ بیماروں کی نہ صرف معاشی مدد کرتیں بلکہ خود معالج کے پاس لے کر جاتیں۔ جب عمر زیادہ ہوگئی تو کئی بار مریضوں کی مدد میں رات بھر جاگنے سے بخار بھی ہو جاتا جس پر میرے والد اور بڑے بھائی اکثر سمجھاتے کہ آپ اِن کو زیادہ پیسے دے دیا کریں لیکن خود کو ہلکان نہ کیا کریں تو جواباً کہتیں کہ یہاں کے ڈاکٹرز بغیر سفارش کے غریبوں کو نہیں دیکھتے اور اِن لوگوں کو بھی امی کو رات کے وقت جگاتے وقت گھبراہٹ نہ ہوتی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ہماری ماں ہے اور صبح پتہ چلنے پر ڈانٹیں گی کہ بتانے میں دیر کیوں کی۔ بیواؤں اور یتیموں کا خاص خیال کرتیں ہمیں امی کی وفات کے بعد اِن بیواؤں سے پتہ چلا کہ نہ صرف امی اِن کو مہینہ وار پیسے دیتیں تھیں بلکہ دو کو تو گھر بنوا کر دیے تھے ۔ ہمارے گھر کام کرنے والی عورت کے دو چھوٹے بچے تھے اور وہ خود فوت ہوگئی یہ بچے ہمارے ساتھ ہی پروان چڑھے۔ امی کو اس عورت کی بہت قدر تھی کہ اس نے ہمارے دادا اور دادی کی بہت خدمت کی تھی۔ بہت سی غریب لڑکیوں کے جہیز سے لے کر کھانے تک کے خرچے اُٹھائے ان سب کاموں میں میرے دو بھائیوں کا بھی بڑا ہاتھ تھا۔ جب بھی امی نے ان بیٹوں سے کسی کی مدد کے لئے ١٠ہزار مانگے تو انہوں نے ٢٠ہزار دیے اور اگر ٢٠ہزار مانگے تو ٤٠ہزار دیے۔ جس کی وجہ سے امی کی غریبوں کی مدد میں تیزی آگئی تھی۔ امی ہمیشہ کہتیں کہ میرے اُوپر پہلے ہی اللہ تعالیٰ کے فضل تھے اب تو بیٹوں کی کمائیوں سے امیر ہو گئی ہوں۔ اور خدا کا اپنے بندوں سے جو وعدہ ہے کہ تم میری راہ میں جو بھی خرچ کرو گے تو میں اسے کئی گنا لوٹاؤں گا۔ یہ وعدہ ہم نے تیزی سے پورا ہوتے دیکھا۔

امی نے بہت سارے لوگوں کو اپنے بیٹوں کے کارخانوں میں نوکریاں دلوائیں۔ لوگوں سے کہتیں کہ بلا واسطہ ملازمت کے لئے نہ جائیں میرے ذریعے جائیں کیونکہ میرے بیٹے میرے بھیجے ہوئے لوگوں کو انکار نہیں کرتے۔ والد صاحب ہمیشہ امی کو کہتے کہ بچوں کو آزمائش میں نہ ڈالا کرو جس پر یہ جواب ہوتا کہ خدا اِن غریبوں کی وجہ سے نواز رہا ہے۔ خدا ایسے بیٹے ہر ایک والدین کو دے۔ آمین۔

یہ لوگ جو ہمارے لئے گھر کے افراد کی طرح تھے، جب امی کی وفات پر ہمارے پاس افسوس کرنے آئے تو یہ کہتے کہ وہ ہماری ماں تھیں ہماری بہت مدد کرتی تھیں۔ وہ اتنے غمگین تھے کہ الٹا ہمیں انہیں چپ کروانا پڑا اور تسلی دینی پڑی۔ امی کی وفات کے بعد جب ہم نے ان کی الماری صاف کی تو بہت ساری خواتین کے ناپ کے جوڑے نکلے جو امی اِن سفید پوش عورتوں کو سلوا کر دیتیں۔ بہت زیادہ مہمان نواز تھیں کوئی بھی آتا تو وقت کی مناسبت سے خاطر مدارات کرتیں۔ شادی سے پہلے میرا اکثر امی سے یہی جھگڑا رہتا کہ ہر ایک کو کھانے پر روک لیتی ہیں اور ہمیں سارا وقت باورچی خانے میں گزارنا پڑتا ہے۔ کبھی کسی کے گھر خالی ہاتھ نہ جاتیں۔ سردیوں کے موسم میں ٹوماٹوں کی

بوریاں جو کہ گھر کی پیداوار تھیں اور گرمیوں میں آم کی پیٹیاں ضرور تحفتاً دیتیں۔ سب کو پتہ ہوتا تھا کہ امی کے ساتھ یہ لوازمات ضرور اُن کے گھر آئیں گے۔ یہی حال اُن کے بچوں ،نواسے نواسیوں ، پوتے پوتیوں کا تھا کہ نانی یا دادی نے تحائف سے بھرے ہوئے آنا ہے ۔ نہ وہ ایک تحفہ دینے پر راضی تھیں اور نہ ہی ہمارے بچوں کو ایک تحفہ کی توقع ہوتی۔

بہت دُعا گو اور عبادت گزار

میں نے جب سے ہوش سنبھالا اپنی ماں کو نماز کی پابندی اور قرآن پاک پڑھتے بلکہ تہجد اداکرتے اور ذکرِ الٰہی میں مشغول دیکھا۔ چاہے ہمارے عام اسکولوں کے ٹیسٹ ہوں یا بڑے امتحان ، امی کے نوافل اور وظیفوں میں اضافہ ہو جاتا۔ ہم سب بہن بھائیوں کے رشتے بہت دُعاؤں اور استخاروں کے بعد کئے۔ امی نہ صرف اپنے خاندان کے لئے بلکہ سب کے لئے بہت تڑپ سے دُعا کرتیں۔ جب بھی کوئی دُعا کے لئے کہتا تو امی اس کو اپنے اوپر فرض کر لیتیں۔ اور باقاعدہ نوافل پڑھتیں۔ بچپنے کی وجہ سے کئی دفعہ مجھے جلن ہوتی کہ یہ ہماری ماں ہو کر سب کے لئے اتنی تڑپ سے دُعا کیوں کرتی ہیں۔ شادی کے بعد امریکہ آجانے کی وجہ سے میں گھر کی بہت سے باتوں سے لاعلم رہی لیکن امی کی بیماری میں جب لوگ ہسپتال ان کا حال پوچھنے آتے اور اُن سے کہتے کہ ہم آپ کے لئے بہت دُعا کرتے ہیں لیکن آپ کا قرض نہیں اُتار سکتے جو آپ ہمارے لئے کرتی تھیں۔ میرے چھوٹے بھائی نے بتایا کہ جب اس کا سالا بیمار تھا تو امی نے اس کے لئے پچاس نوافل پڑھے۔ اسی طرح سے ہر ملنے والا یہی بتاتا کہ وہ ہمیں فلاں ڈاکٹر کے پاس خود لے کر گئیں نہ صرف معاشی مدد کی بلکہ بہت دُعا کی اور خود بھی دُعا کرنے کی تحریک کرتیں کہ اپنا علاج دُعا سے بھی کرو۔ نفلی روزے بھی رکھتیں۔ امی نے اپنے گھر کے ملازمین کو نماز پڑھنا اور قرآن کریم پڑھنا سکھایا۔

ہمارے گھر میں ہر جمعہ کا دن عید کی طرح گزارا جاتا ہے پاکستان میں جمعہ کے دن چھٹی ہوتی ہے ۔ ہمارے گھر میں ہر جمعہ کو پلاؤ، زردہ اور آلو گوشت بنتا تھا۔ جلدی سارے کام نمٹا کر امی نہا دھو کر صلوٰۃ التسبیح پڑھتیں اور پھر ہم سب کھانا کھا کر جمعہ کی نماز کے لئے مسجد جاتے اور پھر اس کے بعد اپنی پھوپھو کے گھر شام کی چائے پی کر گھر آتے۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک عورتوں کے مساجد جانے پر پابندی نہیں لگی۔ پابندی کے بعد صرف بھائی اور والد صاحب مسجد جاتے۔ امی گھر میں ملازمین عورتوں کے ساتھ ظہر ادا کرنے لگیں شاید اس جمعہ کے دن سے محبت کے باعث ہی جمعہ کے روز ہی امی صبح ساڑھے گیارہ بجے اپنے خالق حقیقی سے جاملیں۔

احمدیت سے محبت

امی اپنی طبیعت کے مطابق سب سے محبت کرتیں لیکن اپنی جماعت کو اپنا خاندان کہتیں ۔ میرے والد نے بحیثیت صدر اپنی جماعت کی ۴۰سال تک خدمت کی توفیق پائی جس میں امی ہمیشہ ان کی مدد و معاون رہیں۔ رمضان کے مہینے میں افطاری کروانے کا اہتمام کرتیں، اپنے گھر میں اجلاس کرواتیں اور اپنی جماعت کے مسئلے مسائل بہت پیار اور پردہ پوشی سے حل کرتیں۔

۱۹۷۴ء میں جب احمدیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا تو ملک بھر میں حالات بہت خراب ہو گئے۔ بھلوال شہر میں ہماری دُکان پر حملہ ہوا اور میرے والد کی موٹر سائیکل جلائی گئی ہمارا گھر چونکہ شہر اور گاؤں سے ہٹ کر تھا اس لئے محفوظ سمجھا گیا۔ تقریباً ۸۸ کے قریب افراد جماعت ہمارے گھر ایک مہینہ تک پناہ گزیں رہے۔ اُس وقت ہم بچے بھی چھوٹے تھے اور امی دادا اور دادی کو بھی دیکھتی تھیں۔ یہ لوگ ابھی تک امی کی اُس مہمان نوازی کی مثال دیتے ہیں۔ امی بہت پابندی کے ساتھ اور بڑھ چڑھ کر چندے ادا کرتیں۔ مسجد کی تکمیل میں بھی بھرپور حصہ لیا۔ ان کی وفات پر ساری جماعت نے یہ محسوس کیا کہ گویا ان کی ماں ساتھ چھوڑ گئی ہے اور کہا کہ آج ہماری جماعت یتیم ہو گئی ہے۔ امی نے ساتھ والے گاؤں کی غیر احمدیوں کی مسجد کی تعمیر کے لئے بھی ۲لاکھ روپے بھجوائے۔ امی کی بہت سی غیر احمدی سہیلیاں امی سے اور احمدیت سے بہت متاثر تھیں۔ ہمیشہ کہتیں کہ اپنے خاندان اور معاشرے کے ڈر سے اور عورت ہونے کی وجہ سے وہ احمدیت قبول نہیں کرتیں ورنہ وہ دِل سے احمدیت سے متاثر ہیں۔

اولاد کی تربیت

ہم پانچ بہن بھائی ہیں اور سب سے بڑے بھائی شاہد سلطان، پھر ہم تین بہنیں اور چھوٹا بھائی زاہد سلطان ہے۔ ہماری امی نے ہمیشہ ہمیں اچھائی کی ترغیب دی۔ غرور کو بہت ناپسند کرتیں، ہم اپنے

ملازمین کو عزت سے بلاتے۔ بڑوں کو چاچا، ماسی، آپا کہہ کر بلاتے۔ اسی طرح یہ لوگ بھی امی اور ابا جی کو "امی جی اور ابا جی" کہہ کر بلاتے بجائے بیگم صاحبہ یا چوہدری صاحب کے۔ ہمیں اپنے ذاتی کام ان ملازمین سے کروانے کی اجازت نہ تھی۔ ہمیشہ کہتیں کہ ہمارے گھر مہمان داری بہت ہے تو یہ لوگ ہماری مدد کرتے ہیں۔ تم لوگ اپنے کام خود کرو۔ جس پر ہمیں عجیب لگتا کہ باقی گھروں میں بچے اپنے کام ملازمین سے کرواتے ہیں اور ہم ان کے ہوتے ہوئے بھی خود کام کرتے ہیں۔ امی کو بہت شوق تھا کہ اُن کے بچے اعلیٰ تعلیم حاصل کریں۔ اُس وقت بھلوال میں اچھے تعلیمی ادارے نہ تھے جس کی وجہ سے میرے دونوں بھائی لارنس کالج بورڈنگ ہاوس میں رہے اور میری بڑی بہن کو ننھیال میں رہنا پڑا۔ ان کی جدائی میں امی بہت اُداس رہتیں۔ بھائی اور بہن بھی چھٹیوں کے بعد روتے ہوئے جاتے۔ ہم دو بہنوں کے وقت بھلوال میں اچھے تعلیمی ادارے قائم ہو جانے پر ہم گھر سے آتے اور جاتے۔ دُنیاوی تعلیم کے ساتھ ہماری دینی تعلیم کا بھی خیال رکھا۔ قرآن پاک کو ترجمہ کے ساتھ پڑھنے کی تلقین کرتیں اور ہمیشہ کہتیں کہ ترجمہ کے بغیر پڑھنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ ہماری ماں ہماری بہترین دوست تھیں ہم سے ہنسی مذاق بھی کرتیں اور رات سونے سے پہلے احادیث اور سبق آموز کہانیاں سناتیں۔ رسول پاک ﷺ کے ذکر پر آنکھوں میں آنسو ضرور آتے۔ ہمیشہ ہم بہن بھائیوں کو یقین دلایا کہ اگر کبھی جھوٹ بول کر مجھ سے کوئی بات نہ چھپاؤ گے تو مشکل میں مجھے ہمیشہ ساتھ پاؤ گے۔ میرے بڑے بھائی شادی کے بعد والدین کے ساتھ رہے۔ اور اس طرح امی اور ابا جی اپنے بچوں کی ذمہ داریوں سے فارغ ہونے کے بعد بھی اپنے پوتے اور پوتیوں کی پرورش میں مصروف رہے بلکہ ان بچوں سے زیادہ لاڈ کیے۔ جب میں نے اپنی بھتیجیوں سے پوچھا کہ آپ کو صلوٰۃ التسبیح پڑھنی آتی ہے تو انہوں نے بتایا کہ ہم دادی کے ساتھ جمعہ کو صلوٰۃ التسبیح پڑھتے تھے اور وہ رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں اپنے ساتھ نوافل بھی پڑھواتی تھیں۔

علالت اور وصال

کچھ سالوں سے امی کے گھٹنوں میں بہت درد رہتا تھا بیٹھنے کی عادت نہ تھی اس لئے چاہتی تھیں کہ سرجری کروا کر چلتی پھرتی رہوں۔ ۲۰۱۶ء میں جب ہمارے پاس امریکہ آئیں تو یہاں پر MRI کروایا اور علاج بھی کروایا لیکن فرق نہ پڑا۔ پھر یکم نومبر کو لاہور میں دونوں گھٹنوں کی سرجری کروائی۔ ۲ دن بعد گھر آئیں اور Walker کے ذریعے باتھ روم بھی جانے لگیں لیکن سرجری کے چھٹے روز دائیں ٹانگ میں clotting کی وجہ سے ہسپتال داخل ہونا پڑا۔ ۲ مہینے امی کبھی گھر اور کبھی ہسپتال رہیں۔ یہ وقت امی نے بہت صبر سے کاٹا۔ کبھی بھی تکلیف میں اونچی آواز نہ نکالی ہم بچوں نے ان دو مہینوں میں ان کی خدمت کی ہر ممکن کوشش کی خاص طور پر میرے دونوں بھائیوں اور پوتے احمد سلطان نے بہت خدمت کی۔ میرے چھوٹے بھائی زاہد سلطان نے اس طرح سے امی کا خیال رکھا کہ جیسے کوئی اپنے بچے کا رکھتا ہے۔ امی کو خود باتھ روم لے کر جاتا، نہلانے میں مدد کرتا کیونکہ اُس کو ڈر لگتا کہ ہم کہیں امی کو گرا نہ دیں۔ امی کے دونوں گھٹنے زخمی تھے ہم لوگ امی کا ضروری کام کر کے بیٹھ جاتے لیکن میرا بھائی کبھی اُن کے ناخن کاٹتا تو کبھی صابن سے ہاتھ منہ اور پاؤں دھو رہا ہے تو کبھی دانت صاف کروا رہا ہے۔ یہی حال امی کے پوتے کا تھا امی نے جب بیٹھنا یا لیٹنا ہوتا تو اپنے پوتے کو کہتیں جو بہت احتیاط سے کہ انہیں درد نہ ہو، ان کی مدد کرتا۔ خدا ایسی اولاد ہر کسی کو دے۔ جب بھی ہم امی کی مدد کرتے وہ دُعا دیتیں اور اپنے ربّ سے دُعا کرتیں کی یا اللہ میرے بچوں کو آزمائش سے بچانا اور مجھے محتاجی سے بچانا۔

ربّ العزت نے اُن کی دُعا سنی اور ۶/ جنوری بروز جمعہ اپنے پاس بُلا لیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ ہمارے والد کا دُکھ سکون میں بدل دے اور صحت والی زندگی دے۔ آمین

کیا اللہ اپنے بندہ کے لئے کافی نہیں؟

۳۹(الزمر):۳۶

آپ کے ایک بیٹے ۱۹۴۷ء میں قادیان میں قربان ہو گئے

مکرم ڈاکٹر حبیب اللہ خان ابو حنیفی کا ذکر خیر

پروفیسر محمد شریف خان، فلاڈلفیا، امریکہ

والدِ محترم حبیب اللہ ۱۰/ اکتوبر ۱۸۸۵ء کو چک سان ضلع گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد عبد الحکیم قریشی آپ کی پیدائش سے قبل آسٹریلیا چلے گئے تھے جہاں انہوں نے دوسری شادی کر لی تھی۔ اس طرح آپ کی تعلیم وتربیت آپ کی والدہ محترمہ محمد بی بی کے سپرد تھی۔ آپ نے اپنی تعلیم کا آغاز پرائمری سکول کوٹ سعد اللہ سے کیا جو گاؤں سے تین میل کے فاصلے پر تھا۔ چھٹی جماعت میں آپ کو مشن ہائی سکول ڈسکہ میں داخل کرا دیا گیا۔

وہاں جب پادریوں کو پتہ چلا کہ ان کے والد آسٹریلیا میں ہیں اور اِن کی شدید خواہش ہے کہ اپنے والد کے پاس جائیں تو انہوں نے لالچ دیا کہ اگر تم عیسائی ہو جاؤ تو ہم تمہیں آسٹریلیا تمہارے والد کے پاس پہنچانے کا انتظام کر دیں گے۔ جب والد صاحب نے اس کی اطلاع خوشی خوشی والدہ کو گاؤں میں دی تو انہوں نے خطرہ بھانپتے ہوئے انہیں فوری طور پر واپس بلا لیا اور مزید تعلیم کے لئے لاہور آپ کی پھوپھی جو مولوی اصغر علی صاحب روحی (پروفیسر اسلامیات اسلامیہ کالج) کی بیگم تھیں' کے پاس بھجوا دیا۔

مولوی روحی مشہور معاند احمدیت تھے گھر میں احمدیت مخالف باتیں سن سن کر حبیب اللہ سمجھتے کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے کوئی قبیح غیر اسلامی حرکت کی ہے۔ والد صاحب اُن دنوں کو یاد کر کے بڑے دکھ اور کرب سے بیان کیا کرتے تھے: ایک دن جب پھوپھی کے بچے کو بہلانے گھر سے نکلے تو سامنے لوگوں کو ریلوے لائن کی طرف جاتے اور ایک چلتی گاڑی کو پتھر مارتے ہوئے دیکھا۔ جو گاڑی کے پیچھے بھاگتے جا رہے تھے اور ساتھ ساتھ چیخ رہے تھے: اوئے مرزا دوڑ گیا! وغیرہ۔ آپ رُندھی ہوئی آواز میں کہتے: میں نے بھی دو تین پتھر گاڑی کی طرف پھینکے۔ اور روتے ہوئے کہتے: دیکھو اب وہی حبیب اللہ اُسی مرزے کی جوتیوں کا غلام ہے۔

فوج میں بھرتی

میٹرک کے بعد آپ فوج کی میڈیکل کور میں بھرتی ہو گئے۔ آپ کو افریقہ بھجوا دیا گیا۔ جہاں آپ مشرقی افریقہ میں ٹانگانیکا کے مختلف ہسپتالوں دارالسلام۔ ٹبورا۔ ڈوڈوما اور کیمبو گوٹو وغیرہ میں خدمات بجالاتے رہے۔

قبولِ احمدیت

افریقہ میں آپ محترم شیخ مبارک احمد مرحوم کے ذریعے احمدیت کی روشنی سے منوّر ہوئے۔ اور ۱۹۲۳ء میں بیعت کی سعادت پائی۔ الحمدللہ۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے اخلاص میں بڑی سرعت کے ساتھ ترقی کی۔ آپ چندہ جات کی ادائیگی میں بڑے با قاعدہ تھے۔ ۱۹۲۴ء میں نظامِ وصیت سے منسلک ہونے کی سعادت پائی۔

پنج ہزاری مجاہدین

آپ بیان کیا کرتے تھے کہ جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۱۹۳۴ء میں تحریکِ جدید کا اعلان فرماتے ہوئے پانچ ہزار چندہ دہندگان کی خواہش کا اعلان فرمایا، تو میرے دل میں ایک طرح کا انقباض پیدا ہوا۔' کہتے ہیں اُس رات مجھے ایک نظارہ دکھایا گیا:

"میں ایک وسیع میدان کے درمیان کمبل میں لپٹا پڑا ہوں۔ اچانک مجھے دائیں جانب سے فوجیوں کی مارچ کرنے کی آواز "لیفٹ رائیٹ، لیفٹ رائیٹ"، سنائی دی۔ مجھے احساس ہوا کہ فوج میرے پاس سے گزر رہی ہے۔ میں بڑی کوشش کرتا ہوں کہ کمبل سے آزاد ہو کر اسے دیکھوں۔ مگر اس طرح کس کر لپٹا ہوں کہ کامیاب نہیں ہو پاتا۔ اسی طرح مارچ کی آواز میری بائیں جانب سے آتی ہے، اس طرف سے بھی باوجود کوشش کے فوج کو دیکھ نہیں سکتا۔ اسی کوشش اور پریشانی میں میری آنکھ کُھل گئی میں پسینے میں شرابور تھا۔ میں نے توبہ استغفار کی، اپنی کوتاہیوں کی معافی مانگی۔ اور فوری طور پر اپنے گھر کے ہر خورد وکلاں کو تحریکِ جدید کی پانچ ہزاری فوج میں شامل کیا"۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۲۸۰ تحریکِ جدید' پانچ ہزاری مجاہدین' دفتر تحریکِ جدید' ربوہ مطبوعہ ۱۹۵۹ء) اس کے علاوہ آپ نے اپنے منجھلے بیٹے محمد منیر خان شامی کو خدمتِ دین کے لئے وقف کر دیا۔

خاندانی مخالفت

آپ کا ملاؤں کا خاندان تھا، آپ کے احمدیت قبول کرتے ہی نہ صرف آپ کے والدین بلکہ سب رشتہ داروں نے بھرپور مخالفت شروع کر دی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اباجی اپنے ایمان میں پکے اور مضبوط ہوتے چلے گئے۔ جب بھی خاندان میں کوئی تقریب ہوتی' آپ سے بحث مباحثہ کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔

۱۹۴۸ء میں جب آپ مجھے کوٹ سعد اللہ سکول میں داخل کروانے گئے تو ہیڈ ماسٹر جو کٹر اہل حدیث تھا آپ سے مذہبی بحث میں الجھ پڑا۔ اور تو اس کا کوئی بس نہ چلا' دو تین دن کے بعد بہانہ بنا کر اس نے میری اچھی طرح سے پٹائی کر دی۔

افریقہ میں ساتھی

افریقہ میں آپ کے ساتھیوں میں محترم مولانا شیخ مبارک احمد کے علاوہ ڈاکٹر عبد الغنی کڑک' ڈاکٹر محمد دین (گوجرانوالہ) اور مکرم عبدالکریم ڈار (سیالکوٹ) کے علاوہ اصغر لون صاحب اور مکرم مختار احمد صاحب ایاز شامل تھے۔ یہ سب لوگ مل کر ٹیم کی شکل میں جماعتی کاموں میں بھرپور حصہ لیتے۔

قادیان میں

والد صاحب نے تعلیم و تربیت کے لئے بچوں کو ۱۹۴۱ء میں قادیان بھجوا دیا ہوا تھا۔ ۱۹۴۷ء کے فسادات کے دوران آپ کے واقفِ زندگی بیٹے محمد منیر خان شامی سکھوں سے مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ جواں سال بیٹے کی شہادت کی اطلاع ملنے پر آپ نے جس صبر اور راضی برضا ہونے کا مظاہرہ کیا' اس کا تذکرہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خطبہ جمعہ ۱۱ر جون ۱۹۹۹ء (مطبوعہ الفضل ربوہ ۷ر ستمبر ۱۹۹۹ء) میں از راہِ ذرہ نوازی درجِ ذیل الفاظ میں فرمایا:

"آپ کے والد صاحب (ڈاکٹر حبیب اللہ خان' ناقل) جو ان دنوں تنزانیہ میں تھے' وہ بھی اللہ کے فضل سے بہت مخلص انسان تھے دراصل ان ہی سے خلوص ورثہ میں پایا تھا۔ انکی ڈائری کے اندراج بتاریخ ۳ر ستمبر ۱۹۴۷ء میں یہ پر خلوص عبارت درج ہے:

"آج قادیان میں عزیز محمد منیر شامی نے شہادت پائی۔ الحمد للہ"

اتنے بچوں کا کیا کرو گے۔۔

اباجی بیان کیا کرتے تھے' ایک دن ہسپتال میں آتے جاتے میرا پاؤں پھسل گیا' رستے میں ڈاکٹر کھڑے تھے ایک نے فقرہ چُست کیا: "لگتا ہے خان کو اس کے بچے رات کو سونے نہیں دیتے' اس لئے بچارا دن میں اِدھر اُدھر گرتا پھرتا ہے"۔

فرماتے میں نے انہیں جواب دیا: "میں ان شاء اللہ ان بچوں میں سے ایک کو ڈاکٹر، دوسرے کو مبلغ، تیسرے کو انجنیئر اور چوتھے کو پروفیسر بناؤں گا"۔ بعد میں فرماتے: "اب اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے مجھے ایک شہید بھی عطا کر دیا ہے"۔

خدائی بشارت

افریقہ میں ملازمت کے دوران آپ نے کافی عرصہ ٹی بی (Tuberculosis) کے علاج سے مخصوص ہسپتالوں میں کام کیا۔ آپ ۱۹۴۰ء میں اس بیماری سے سخت علیل ہو گئے۔ پریشانی کے عالم میں خدا تعالیٰ سے بیماری سے شفایابی کے لئے دعا کرتے رہے کہ اس عالم میں ایک رات سوتے میں آواز آئی:

"تمہیں سترہ (۱۷) دن کی چھٹی دی جاتی ہے"!

سخت گھبرائے' چھٹی لے کر قادیان بچوں کے پاس آ گئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی خدمت میں خواب تحریر کر کے' دعا کی درخواست کی۔ حضورؓ نے جواباً تحریر فرمایا:

"گھبرائیں نہیں یہ تو مبشر خواب ہے۔ آپ کو سترہ دن چھوڑ اس سے کہیں زیادہ سالوں کی زندگی کی خوشخبری دی گئی ہے"۔

حضور کی اس بشارت سے بھرپور تحریر کے بعد آپ خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت جلد صحت یاب ہو کر افریقہ اپنی ڈیوٹی پر حاضر ہو گئے۔

ریٹائرمنٹ کی زندگی

۱۹۴۷ء میں تقسیمِ ملک کے بعد آپ کی فیملی قادیان سے ہجرت کر کے پاکستان میں اپنے آبائی گاؤں چک سان ضلع گوجرانوالہ ہجرت کر کے آ گئی تھی۔ آپ بھی وقت سے ایک سال پہلے پنشن لے کر ۱۹۴۸ء میں پاکستان پہنچ گئے اور بچوں کی تعلیم و تربیت اپنے ہاتھ میں لے لی۔

ظہر اور عصر کی نمازوں کے بعد ہم بچے اپنا اپنا قرآنِ شریف لے کر دائرے میں بیٹھ جاتے۔ ہر بچہ ایک ایک رکوع کی تلاوت کرتا جاتا۔ آپ ترجمہ کرتے جاتے بچہ ساتھ ساتھ ترجمہ دُہراتا جاتا۔ اس طرح بعد میں ہم بچوں کو کبھی بھی قرآنِ کریم کا ترجمہ سمجھنے میں دقت پیش نہیں آئی۔ اس کے علاوہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کے مطالعہ کا اہتمام بھی ہوتا تھا۔ آپ ہمیں مشکل مقامات سمجھاتے جاتے۔

آپ کبھی کبھی شعر بھی کہتے۔ عابدؔ تخلص تھا۔ احمدیت اور خلافت سے محبت کا اظہار شعروں میں کرتے۔ آپ خوش الحان تھے۔ درِّ ثمین سے دعائیہ اشعار اکثر اونچی آواز میں بار بار پڑھتے۔ اور بچوں کو ان کا مطلب سمجھاتے۔ ہر ضرورت کے وقت خدا تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا کرتے۔ اور ہمیں دعا کرنے کی تلقین کرتے۔

مجھے یاد ہے ایک سال خشک سالی کی وجہ سے بارشیں کم ہوئیں۔ ایک دن جب بارش ہو رہی تھی اور ہم سب آموں سے لطف اندوز ہو رہے تھے' والد صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے درجِ ذیل شعر کا مطلب ہمیں بڑے انوکھے انداز میں سمجھایا:

"وقت تھا وقتِ مسیحا' نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

دیکھو! ہمیں بارش کی کتنی ضرورت تھی' اب یہ بارش ہو رہی ہے الحمد للہ۔ بارش کے وقت پر ہونے کے وجہ سے ہر کوئی خوش ہے اور خدا کا شکر بجالا رہا ہے۔ اسی طرح اس زمانے کو ایک ہادی کی ضرورت تھی۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ٹھیک وقت پر دنیا کی ہدایت کے لیئے تشریف لائے"۔

گکھڑ منڈی میں

جب بچوں کی تعلیمی ضروریات بڑھیں تو آپ گاؤں سے تین میل دور گکھڑ منڈی نقل مکانی کر کے آ گئے۔ خدمتِ خلق کے جذبے سے مین بازار میں "قریشی میڈیکل ہال" کے نام سے غریبوں اور ناداروں کے علاج معالجہ کے لئے شفاخانہ قائم کیا۔ گکھڑ منڈی کی جماعت کو منظم کیا اور جب تک وہاں قیام رہا جماعت کے سیکریٹری مال کی حیثیت سے خدمت بجا لاتے رہے۔ گکھڑ احمدی مخالف کشمیریوں کا گڑھ تھا، ۱۹۵۳ء کے فسادات اور مخالفت کا بھرپور مقابلہ کیا۔ آپ ہمیشہ نادار طلباء کی مدد کرتے جس سے گکھڑ کے کئی خاندانوں کے بچے اعلیٰ تعلیم سے سرفراز ہوئے۔

میرا وقفِ زندگی

۱۹۵۲ء میں جب میں آٹھویں کا طالب علم تھا، حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے وقفِ زندگی کی اہمیت پر تواتر سے کئی خطبات ارشاد فرمائے۔ اباجی نے ایک دن مجھے اپنے پاس بلا کر فرمایا:

"اگر تم میری ایک بات مانو تو میں تم سے بہت خوش ہوں گا"۔ میرے پوچھنے پر فرمانے لگے: "مجھے اللہ تعالیٰ نے چار بیٹے دیئے تھے۔ منیر کو میں نے خدمتِ دین کے لئے وقف کر دیا تھا' وہ شہید ہو گیا اور اپنی مراد کو پا گیا۔ باقی دو بیٹے اپنا اپنا کام کر رہے ہیں۔ تم پڑھ رہے ہو۔ میرا دل کرتا ہے تم اپنی زندگی خدمتِ دین کے لئے وقف کر دو تا کہ میرے اعمال کے دونوں پلڑے یکساں ہو جائیں"۔ میرے اثبات میں جواب پر آپ بہت خوش ہوئے اور فوری طور پر حضرت صاحب کی خدمت میں میرا وقف پیش کر دیا۔ جس کی جلد ہی منظوری آ گئی، الحمد للہ

ربوہ میں

میں نے ۱۹۶۳ء میں تعلیم الاسلام کالج لیکچرر کے طور پر جائن کیا۔ اباجی ۱۹۶۴ء میں گکھڑ سے میرے پاس ربوہ میں نقل مکانی کر کے تشریف لے آئے۔ محلہ دار البرکات میں مسجدِ اقصیٰ کے سامنے اپنا گھر بنوا کر مستقل رہائش اختیار کر لی۔

وفات

اباجی نے اللہ کے فضل سے ساری عمر صحت مندی میں گزاری۔ آپ مضبوط اور بھاری جسم کے تھے، گھٹنوں میں آرتھرائیٹس یعنی جوڑوں کی دردوں کے علاوہ کوئی اور عارضہ نہ تھا۔ ۲۰/ستمبر ۱۹۷۴ء کو مختصر سی علالت کے بعد ہمیں سوگوار چھوڑ کر راہیٔ ملکِ بقا ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ راجِعون۔ اب آپ بہشتی مقبرہ میں آسودۂ خاک ہیں۔ آپ کی وفات حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی بیان کردہ بشارت کے مطابق آپ کی رویا کے ٹھیک ۳۴ سال بعد واقع ہوئی۔ احباب جماعت سے اباجی مرحوم کے بلندیٔ درجات کے لئے دعا کی درخواست ہے۔

تیری الفت سے ہے معمور مرا ہر ذرّہ

اپنے سینے میں یہ اک شہر بسایا ہم نے

امۃ الباری ناصر

”جب ہم انصاف کی نظر سے دیکھتے ہیں تو تمام سلسلہ نبوت میں سے اعلیٰ درجے کا جواں مرد نبی اور زندہ نبی اور خدا کا اعلیٰ درجہ کا پیارا نبی صرف ایک مرد کو جانتے ہیں۔ یعنی وہی نبیوں کا سردار۔ رسولوں کا فخر تمام مرسلوں کا سرتاج جس کا نام محمد مصطفیٰ واحمد مجتبیٰ ﷺ ہے۔ جس کے زیر سایہ دس دن چلنے سے وہ روشنی ملتی ہے جو پہلے اس سے ہزاروں برس تک نہیں مل سکتی تھی۔“ (روحانی خزائن جلد ۲۱۔ سراج منیر صفحہ ۸۲)

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے زیر سایہ دس دن چلنے والے کو ملنے والی روشنی کا اندازہ ممکن نہیں اور جس کی زندگی کی ہر حرکت و سکون ایک ایک لمحہ سب اللہ تبارک تعالیٰ اور اس کے محبوب کے عشق میں گزرے اس کا وجود کس قدر نورانی ہو گا۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے اتباع کا حق ادا کیا اور اپنے قلبِ صافی کو قلبِ محمد ﷺ کا آئینہ بنالیا۔ اصل اور عکس ہم رنگ ہو گئے۔

برتر گمان و وہم سے احمدؐ کی شان ہے
جس کا غلام دیکھو مسیح الزمانؑ ہے

من تو شدم تو من شدی والی اس کیفیت کی ان گنت مثالیں ہیں جن میں سے چند پیش خدمت ہیں:

ربط ہے جان محمد ﷺ سے مری جاں کو مدام
دل کو وہ جام لبالب ہے پلایا ہم نے

نصرت بالرعب

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک موقع پر آنحضرت ﷺ نے دوسرے انبیاء پر اپنی چھ فضیلتیں بیان فرمائیں جن میں سے ایک

’نصرت بالرعب‘ تھی (صحیح مسلم۔ کتاب المساجد) ہمیں آپؐ کی حیاتِ مبارکہ میں ایسے کئی مواقع ملتے ہیں جہاں غیر معمولی حالات میں اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر دوسروں کے دلوں پر آپؐ کا رعب بٹھایا۔

آنحضرت ﷺ کے سامنے ابو جہل کے مرعوب ہونے کے متعلق ایک اور روایت بھی آتی ہے جس سے پتا لگتا ہے کہ خدائی سنت اسی طرح پر ہے کہ جو لوگ خدا کے مرسلین کے سامنے زیادہ بیباک ہوتے ہیں عموماً انہیں پر خدا تعالیٰ اپنے رسولوں کا رعب زیادہ مسلط کرتا ہے چنانچہ لکھا ہے کہ ایک دفعہ اراشہ نامی شخص مکہ میں کچھ اونٹ بیچنے آیا اور ابو جہل نے اس سے یہ اونٹ خرید لئے مگر اونٹوں پر قبضہ کر لینے کے بعد قیمت ادا کرنے میں حیل و حجت کرنے لگا۔ اس پر اراشہ جو مکہ میں ایک اجنبی اور بے یارومددگار تھا بہت پریشان ہوا اور چند دن تک ابو جہل کی منت سماجت کرنے کے بعد وہ آخر ایک دن جبکہ بعض رؤسا قریش کعبۃ اللہ کے پاس مجلس جمائے بیٹھے تھے، ان لوگوں کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ اے معززین قریش آپ میں سے ایک شخص ابوالحکم نے میرے اونٹوں کی قیمت دبا رکھی ہے آپ مہربانی کر کے مجھے یہ قیمت دلوا دیں۔ قریش کو شرارت جو سوجھی تو کہنے لگے ایک شخص یہاں محمدؐ بن عبد اللہ نامی رہتا ہے تم اس کے پاس جاؤ۔ وہ تمہیں قیمت دلا دے گا اور اس سے غرض ان کی یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ تو بہر حال انکار ہی کریں گے اور اس طرح باہر کے لوگوں میں آپؐ کی سبکی اور ہنسی ہو گی۔ جب اراشہ وہاں سے لَوٹا تو قریش نے اس کے پیچھے پیچھے ایک آدمی کر دیا کہ دیکھو کیا تماشا بنتا ہے،

چنانچہ اراشہ اپنی سادگی میں آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ ”میں ایک مسافر آدمی ہوں اور آپ کے شہر کے ایک رئیس ابوالحکم نے میری رقم دبا رکھی ہے اور مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ مجھے یہ رقم دلوا سکتے ہیں۔ پس آپ مہربانی کر کے مجھے میری رقم دلوا دیں“

آنحضرت ﷺ فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے کہ چلو میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں چنانچہ آپؐ اسے لے کر ابو جہل کے مکان پر آئے اور دروازے پر دستک دی۔ ابو جہل باہر آیا تو آپؐ کو دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا اور خاموشی کے ساتھ آپؐ کا منہ دیکھنے لگا آپؐ نے فرمایا:

"یہ شخص کہتا ہے کہ اس کے پیسے آپ کی طرف نکلتے ہیں۔ یہ ایک مسافر ہے آپ اس کا حق کیوں نہیں دیتے؟"

اس وقت ابو جہل کا رنگ فق ہو رہا تھا۔ کہنے لگا:

محمدؐ ٹھہرو۔ میں ابھی اس کی رقم لاتا ہوں چنانچہ وہ اندر گیا اور اراشہ کی رقم لا کر اسی وقت اس کے حوالے کر دی۔ اراشہ نے آنحضرت ﷺ کا بہت شکریہ ادا کیا۔ اور واپس آکر قریش کی اسی مجلس میں پھر گیا۔ اور وہاں جا کر ان کا بھی شکریہ ادا کیا کہ آپ لوگوں نے مجھے ایک اچھے آدمی کا پتہ بتایا۔ خدا اسے جزائے خیر دے اس نے اسی وقت میری رقم دلا دی۔ رؤساء قریش کے منہ میں زبان بند تھی اور وہ ایک دوسرے کی طرف حیران ہو کر دیکھ رہے تھے۔ جب اراشہ چلا گیا تو انہوں نے اس آدمی سے دریافت کیا جو اراشہ کے پیچھے پیچھے ابو جہل کے مکان تک گیا کہ کیا قصہ ہوا ہے۔ اس نے کہا۔

"واللہ۔ میں نے تو ایک عجیب نظارہ دیکھا ہے اور وہ یہ کہ جب محمدؐ نے جا کر ابو الحکم کے دروازہ پر دستک دی اور ابو الحکم نے باہر آکر محمد کو دیکھا تو اس وقت اس کی حالت ایسی تھی کہ گویا ایک قالب بے روح ہے اور جوں ہی کہ اسے محمدؐ نے کہا کہ اس کی رقم ادا کر دو، اسی وقت اس نے اندر سے پائی پائی لا کر سامنے رکھ دی۔"

تھوڑی دیر کے بعد ابو جہل بھی اس مجلس میں آپہنچا۔ اسے دیکھتے ہی سب لوگ اس کے پیچھے ہو لیے کہ اے ابو الحکم تمہیں کیا ہو گیا تھا کہ محمدؐ سے اس قدر ڈر گئے۔ اس نے کہا۔

خدا کی قسم جب میں نے محمدؐ کو اپنے دروازے پر دیکھا، تو مجھے یوں نظر آیا کہ اس کے ساتھ لگا ہوا ایک مست اور غضبناک اونٹ کھڑا ہے اور میں سمجھتا تھا کہ اگر ذرا بھی چون و چرا کروں گا تو وہ مجھے چبا جائے گا'۔ (سیرت ابنِ ہشام۔ سیرت خاتم النبیین از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؓ صفحہ ۱۶۳)

آپؐ کے غلام صادق سے بھی اللہ تبارک تعالیٰ نے معجزانہ طریق پر لوگوں کے دلوں پر رعب قائم کرنے کا وعدہ فرمایا تھا ۱۸۸۳ء میں الہام ہوا

'نصرت بالرعب وَ أحییتَ بالصدقِ ایھا الصدیقُ ۔نصرتَ وقالوا لاتَ حینَ مناص '

(تذکرہ اردو ایڈیشن چہارم ۲۰۰۲ء صفحہ ۸۳)

(ترجمہ) 'تو رعب کے ساتھ مدد دیا گیا اور صدق کے ساتھ زندہ کیا گیا اے صدیق۔ تو مدد کیا گیا اور مخالفوں نے کہا اب گریز کی جگہ نہیں'

آپؑ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اللہ تبارک تعالیٰ کے عنایت کردہ رعب کی مثالوں سے بھرا پڑا ہے۔ یہاں پر ایک واقعہ درج ہے جو آنحضور ﷺ کے ابو جہل کے واقعہ سے بہت ملتا ہے۔

'ایک دفعہ ایک ہندو جو گجرات کا رہنے والا تھا۔ قادیان کسی بارات کے ساتھ آیا۔ یہ شخص علم توجہ کا ماہر تھا چنانچہ اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ہم لوگ قادیان آئے ہوئے ہیں چلو مرزا صاحب سے ملنے چلیں اور اس کا منشاء یہ تھا کہ لوگوں کے سامنے حضرت صاحب پر اپنی توجہ کا اثر ڈال کر آپ سے بھری مجلس میں کوئی بیہودہ حرکات کرائے۔ جب وہ مسجد میں حضور سے ملا تو اس نے اپنے علم سے آپ پر اپنا اثر ڈالنا شروع کیا مگر تھوڑی دیر کے بعد وہ یکلخت کانپ اُٹھا مگر سنبھل کر بیٹھ گیا اور اپنا کام پھر شروع کر دیا اور حضرت صاحب اپنی گفتگو میں لگے رہے مگر پھر اس کے بدن پر ایک سخت لرزہ آیا اور اس کی زبان سے بھی کچھ خوف کی آواز نکلی مگر وہ پھر سنبھل گیا۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد اس نے ایک چیخ ماری اور بے تحاشا مسجد سے بھاگ نکلا اور بغیر جوتا پہنے نیچے بھاگتا ہوا اتر گیا۔ اس کے ساتھی اور دوسرے لوگ اس کے پیچھے بھاگے اور اس کو پکڑ کر سنبھالا۔ جب اس کے ہوش ٹھکانے ہوئے تو اس نے بیان کیا کہ میں علمِ توجہ کا بڑا ماہر ہوں میں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ مرزا صاحب پر اپنی توجہ ڈالوں اور مجلس میں ان سے کوئی لغو حرکات کرادوں لیکن جب میں نے توجہ ڈالی تو میں نے دیکھا کہ میرے سامنے مگر ایک فاصلہ پر ایک شیر بیٹھا ہے میں اسے دیکھ کر کانپ گیا لیکن میں نے جی میں اپنے آپ کو ملامت کی کہ یہ میرا وہم ہے۔ چنانچہ میں نے پھر مرزا صاحب پر توجہ ڈالنی شروع کی تو میں نے دیکھا کہ پھر وہی شیر میرے سامنے ہے اور میرے قریب آگیا ہے اس پر پھر میرے بدن پر سخت لرزہ آیا مگر میں پھر سنبھل گیا اور میں نے جی میں اپنے آپ کو بہت ملامت کی کہ یوں ہی میرے دل میں وہم سے خوف پیدا ہو گیا چنانچہ میں نے اپنا دل مضبوط کر کے اور اپنی طاقت کو جمع کر کے پھر مرزا صاحب پر اپنی توجہ کا اثر ڈالا اور پورا زور لگایا۔ اس پر ناگہاں میں نے دیکھا کہ وہی شیر میرے اوپر کود کر حملہ آور ہوا ہے اس وقت میں نے بے خود ہو کر چیخ ماری اور وہاں سے بھاگ اُٹھا۔ حضرت خلیفہ ثانیؓ بیان فرماتے تھے کہ وہ شخص پھر حضرت صاحب کا

معتقد ہو گیا تھا اور ہمیشہ جب تک زندہ رہا آپ سے خط وکتابت رکھتا تھا۔

(سیرۃالمہدی صفحہ ۶۱۔۶۲)

دینی غیرت

اللہ تعالیٰ کے شیر اپنے فرضِ منصبی کے لیے بڑا دل گردہ رکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ اپنے خالق و مالک کی شانِ غیوری کا کس طرح پاس رکھنا ہے۔ نمونے کے طور پر دینی غیرت کے چند واقعات پیش ہیں:

'جنگِ بدر کے زخم خوردہ اپنی ہزیمت کی شرمندگی دور کرنے کے لئے ابو سفیان کی سرکردگی میں تین ہزار کے جنگی سازوسامان سے لیس لشکر احد کے میدان میں آنحضور ﷺ سے نبرد آزما ہوا۔ لشکر کی تعداد 'زرہ پوشوں' گھوڑوں اور دیگر سامان میں زمین آسمان کا فرق تھا تاہم اللہ تعالیٰ کی مدد سے بے جگری سے جہاد کرنے والوں کو فتح نصیب ہوئی مگر مسلمانوں کے پڑاؤ کے عقب میں درّہ کی حفاظت کے لئے متعین دستے کی غفلت سے موقع پاکر دشمن نے اچانک پلٹ کر حملہ کر دیا جس سے بہت جانی نقصان ہوا آنحضور ﷺ زخمی ہو کر گر گئے۔ دشمنوں نے سمجھا کہ ہم نے من کی مراد پالی جس درّے میں مسلمانوں کا ایک جان نثار گروہ اپنے آقاؐ کے زخم صاف کر رہا تھا اس کے پاس کھڑے ہو کر ابوسفیان نے پکارا: مسلمانو! کیا تم میں محمدؐ ہے؟ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا 'کوئی جواب نہ دے'

استفسار آپ کی ذات کے لئے کیا گیا تھا۔ آپ کے مزاج میں اس قدر عاجزی تھی۔ اپنے ہونے یا نہ ہونے کو اتنا اہم نہ سمجھا کہ مدمقابل دشمن کو کوئی دندان شکن جواب دیتے۔ اور ان کی جھوٹی خوشیوں کو پامال کرتے۔ ابوسفیان نے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے متعلق پوچھا تو آپ نے پھر خاموش رہنے کا ارشاد فرمایا۔ اس خاموشی سے غلط مطلب لے کر ابوسفیان نے بلند آواز سے کہا یہ سب لوگ مارے گئے زندہ ہوتے تو جواب دیتے۔

حضرت عمرؓ نے للکار کر کہا۔ اے اللہ کے دشمن ہم سب زندہ ہیں اور حضرت محمد ﷺ بھی زندہ ہیں اور تمہاری آواز سن رہے ہیں۔ اس موقع پر ابو سفیان نے دوبارہ پوچھا عمر سچ سچ بتاؤ کیا تم میں محمد ہیں اور ساتھ ہی اپنی جیت کا اعلان کرنے کی غرض سے بلند آواز میں نعرہ مارا۔

اعل ھبل۔ اے ھبل تیری بلندی ہو

صحابہؓ خاموش رہے کیونکہ آنحضور ﷺ اپنے اور اپنے ساتھیوں کے لئے جواب دینے سے منع فرما چکے تھے مگر اب اللہ جل شانہ کی ذات کا سوال تھا فرمایا جواب کیوں نہیں دیتے؟ صحابہ کرامؓ نے پوچھا حضورؐ کیا جواب دیں آپؐ نے فرمایا کہو اللہ اعلی و اجل۔ یعنی بلندی اور بزرگی صرف خدا کو حاصل ہے۔ ابوسفیان نے کہا لنا العزی ولا عزی لکم۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا جواب میں کہو: اللہ مولانا ولا مولا لکم عزی کیا چیز ہے ہمارے ساتھ اللہ ہمارا مددگار ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں۔" (خلاصہ سیرۃ خاتم النبیین ﷺ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صفحات ۴۹۸،۴۹۹)

دین کے لئے غیرت اور اپنی ذات کے لئے عاجزی انکساری اور خود کو لاشئ محض سمجھنے کا ایک اور واقعہ پڑھئے۔ استاد کی ادائیں شاگرد نے اپنائیں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو بھی اپنے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے بے حد غیرت تھی۔

'ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سفر میں تھے اور لاہور کے ایک سٹیشن کے پاس وضو فرما رہے تھے۔ اس وقت پنڈت لیکھرام حضورؑ سے ملنے کے لئے آیا اور آکر سلام کیا مگر حضرت صاحب نے کچھ جواب نہیں دیا اس نے اس خیال سے کہ شاید آپ نے سنا نہیں دوسری طرف سے ہو کر پھر سلام کیا مگر آپ نے پھر بھی توجہ نہیں کی۔ اس کے بعد حاضرین میں سے کسی نے کہا کہ حضور پنڈت لیکھرام نے سلام کیا تھا۔ آپؑ نے فرمایا

'ہمارے آقا کو گالیاں دیتا ہے اور ہمیں سلام کرتا ہے۔' (سیرۃ المہدی ص ۲۵۴)

ایک دوسری روایت کے مطابق آپؑ نے فرمایا تھا

'ہمارے سید و مولیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کو گالیاں دینے والے کا ہم سے کیا تعلق'۔ (سیرۃ المہدی ص ۶۰۳)

دینی غیرت کا ایک اور واقعہ ہے جس میں حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے ایک ایسی مجلس میں بیٹھے رہنے پر اظہار ناراضگی فرمایا جس میں حضرت رسول کریم ﷺ کے متعلق نازیبا الفاظ بولے گئے تھے یہ واقعہ حضرت مصلح موعودؓ سناتے ہیں:

'میری عمر اس وقت سترہ سال کی تھی مگر میں اس بدگوئی کو برداشت نہ

کر سکا اور میں نے کہا میں تو ایک منٹ کے لئے بھی اس جلسہ میں نہیں بیٹھ سکتا۔ میں یہاں سے جاتا ہوں۔ اکبر شاہ نجیب آبادی مجھے کہنے لگے مولوی صاحب (حضرت حکیم الامت مولوی نور الدین صاحبؓ۔ ناقل) تو یہاں بیٹھے ہیں اور آپ اُٹھ کر باہر جا رہے ہیں۔ اگر یہ غیرت کا مقام ہوتا تو کیا مولوی صاحب کو غیرت نہ آتی؟ میں نے کہا کچھ بھی ہو مجھ سے تو یہاں بیٹھا نہیں جاتا اور رسولِ کریم ﷺ کی نسبت یہ سخت کلامی مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتی وہ کہنے لگے آپ کو کم سے کم نظام کی تو اتباع کرنی چاہئے۔ مولوی صاحب اس وقت ہمارے لیڈر ہیں اس لیے جب تک وہ بیٹھے ہیں اس وقت تک نظام کی پابندی کے لحاظ سے آپ کو اُٹھ کر باہر نہیں جانا چاہئے۔ ان کی یہ بات اس وقت کے لحاظ سے مجھے معقول معلوم ہوئی اور میں بیٹھ گیا۔ جب ہم واپس آئے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس واقعہ کا علم ہوا تو... آپ کو اس قسم کا غصہ پیدا ہوا کہ ویسا غصہ آپ میں بہت کم دیکھا گیا ہے۔ آپ بار بار فرماتے

دوسرے مسلمان تو مردہ ہیں ان کو کیا علم ہے کہ رسولِ کریم ﷺ کی کیا شان ہے۔ لیکن ہم نے تو اس طرح اسلامی تعلیم کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے اور اس طرح رسولِ کریم ﷺ کے فضائل اور آپؐ کے کمالات کو روشن کیا ہے کہ اس کے بعد یہ تسلیم ہی نہیں کیا جا سکتا کہ ہماری جماعت کو یہ معلوم نہیں تھا کہ رسول کریم ﷺ کی کیا شان ہے؟ آپؑ نے فرمایا کہ تمہیں تو ایک منٹ کے لیے بھی اس جگہ بیٹھنا نہیں چاہیے تھا۔ بلکہ جس وقت اس نے یہ الفاظ کہے تھے تمہیں اسی وقت کھڑے ہو جانا چاہیے تھا اور اس ہال سے باہر نکل آنا چاہیے تھا۔ اور اگر وہ تمہیں نکلنے کا راستہ نہ دیتے تو پھر اس ہال کو خون سے بھرا ہوا ہونا چاہیے تھا۔ یہ کیوں کر تم نے بے غیرتی دکھائی کہ رسولِ کریم ﷺ کو گالیاں دی گئیں اور تم خاموشی سے بیٹھ کر ان گالیوں کو سنتے رہے۔

حضرت خلیفہ اولؓ اس وقت آپؑ کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ جماعت کے ایک بڑے آدمی تھے مگر وہ بھی سر ڈالے بیٹھے رہے۔ آپ بار بار فرماتے تمہاری غیرت نے یہ کیوں کر برداشت کر لیا کہ تم اس جگہ پر بیٹھے رہو جہاں رسولِ کریم ﷺ کی ہتک ہو رہی ہے تب مولوی محمد احسن صاحب امروہی گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور جس طرح حضرت ابو بکرؓ نے رسولِ کریم ﷺ کی ایک ناراضگی کے موقع پر یہ الفاظ کہے تھے کہ رضیت باللہ ربا و بالا سلام دینا و بمحمد رسولا اسی قسم کے الفاظ انہوں نے کہے... حضور درگزر فرمائیں۔ آخر بہت دیر کے بعد حضرت مسیح موعودؑ کا غصہ فرو ہوا اور آپؑ نے اس غلطی کو معاف فرمایا۔

(تاریخ احمدیت جلد دوم صفحہ ۵۰۴ بحوالہ سیرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۲۱۹-۲۲۰)

جان و دلم فدائے جمال محمدؐ است
خاکم نثار کوچہ آل محمدؐ است
دیدم بعین قلب شنیدم بگوش ہوش
در ہر مکاں ندائے جمال محمدؐ است

خدا تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے پر جوش غیرت رکھنے والے اپنی ذات کے لئے کس قدر بے نیاز ہوتے ہیں اس کے لئے بہت سے واقعات سے صرف ایک مثال حاضر ہے اگست ۱۸۹۷ء میں عیسائی پادریوں نے مختلف مذہبی طاقتوں کو ساتھ ملا کر ایک نہایت گہری اور خطرناک سازش تیار کر کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف اقدامِ قتل کا مقدمہ بنایا۔ ہنری مارٹن کلارک اور محمد حسین بٹالوی نے ایک شخص عبد الحمید کو لالچ دے کر اور ڈرا دھمکا کر گواہی کے لئے تیار کیا۔ اپنی پوری طاقت صرف کر کے وہ خدا کے شیر پر ہاتھ ڈالنا چاہتے تھے مگر ان کو علم نہیں تھا کہ سرِ راہ پر وہ قادر و توانا مولا کریم کھڑا ہے جو اپنے پیارے کی حفاظت کرنے کی خوب طاقت رکھتا ہے

مقدمے کی کارروائی کا انجام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عزت افزائی اور دشمنان دین کی ہزیمت پر ہوا ۲۳ / اگست ۱۸۹۷ء کو مسٹر ولیم مانٹیگو ڈگلس نے فیصلہ سنایا" جہاں تک ڈاکٹر کلارک کے مقدمے کا تعلق ہے ہم کوئی وجہ نہیں دیکھتے کہ غلام احمد سے حفظ امن کے لئے ضمانت لی جائے یا یہ کہ مقدمہ پولیس کے سپرد کیا جائے لہٰذا وہ بری کئے جاتے ہیں" پھر عین کچہری میں انہوں نے ہنستے ہوئے حضورؑ کو مبارک باد دی اور کہا کیا آپ چاہتے ہیں کہ ڈاکٹر کلارک پر مقدمہ چلائیں۔ اگر چاہتے ہیں تو آپ کو حق ہے

حضرت اقدسؑ نے جو ایمان افروز جواب دیا وہ خدا کے اولوالعزم پیغمبروں کی ہی زبان سے نکل سکتا ہے۔ حضورؑ نے فرمایا

'میں کسی پر مقدمہ کرنا نہیں چاہتا میرا مقدمہ آسمان پر دائر ہے'

(تاریخ احمدیت جلد اول ص ۶۳۳)

ظلّ اور اصل

”عقیدہ کی رو سے جو خدا تم سے چاہتا ہے وہ یہی ہے کہ خدا ایک اور محمد رسول اللہ ﷺ اس کا نبی ہے اور وہ خاتم الانبیاء ہے اور سب سے بڑھ کر ہے اب بعد اس کے کوئی نبی نہیں مگر وہی جس پر بروزی طور سے محمدیت کی چادر پہنائی گئی کیونکہ خادم اپنے مخدوم سے جدا نہیں اور نہ شاخ اپنی بیخ سے جدا ہے پس جو کامل طور پر مخدوم میں فنا ہو کر خدا سے نبی کا لقب پاتا ہے وہ ختم نبوت کا خلل انداز نہیں جیسا کہ تم جب آئینہ میں اپنی شکل دیکھو تو تم دو نہیں ہو سکتے بلکہ ایک ہی ہو اگرچہ بظاہر دو نظر آتے ہو صرف ظل اور اصل کا فرق ہے“

(روحانی خزائن جلد ۱۹ کشتی نوح صفحہ ۱۶)

آں رسولے کش محمدؐ ہست نام
دامنِ پاکش بدستِ ما مدام

وہ رسول جس کا نام محمدؐ ہے اس کا مقدس دامن ہر وقت ہمارے ہاتھ میں ہے۔

مہر او با شیر شد اندر بدن
جاں شد و باجاں بدر خواہد شدن

اس کی محبت ماں کے دودھ کے ساتھ ہمارے بدن میں داخل ہوئی وہ جان بن گئی اور جان کے ساتھ باہر نکلے گی۔

ہست او خیر الرسل خیر الانام
ہر نبوت را برو شد اختتام

وہی خیر الرسل خیر الانام ہے اور ہر قسم کی نبوت کی تکمیل اس پر ہو گئی۔

ما ازو یا بیم ہر نور و کمال
وصلِ دلدارِ ازل بے او محال

ہم ہر روشنی اور کمال اسی سے حاصل کرتے ہیں محبوب ازلی کا وصل بغیر اس کے ناممکن ہے۔ (روحانی خزائن جلد 12 سراج منیر صفحہ ۹۵)

ہم سفر! تُو خزاں سے ڈرتا ہے؟

عبد السلام اختر ایم۔اے

ہم سفر! تُو خزاں سے ڈرتا ہے؟
خطرۂ این و آں سے ڈرتا ہے؟

کاش تجھ کو بھی یہ خبر ہوتی
کِن مراحل پہ گامزن ہے حیات

ایک انجان سمت میں ہیں رواں
ریزۂ خاک ہو کہ موجِ فرات

پھر تُو وہم و گماں سے ڈرتا ہے؟
ہم سفر! تُو خزاں سے ڈرتا ہے؟

دیکھ مابینِ راحت و حرِماں
کوئی شئے درمیاں بھی آتی ہے

جب بہاروں کے پُھول کِھلتے ہیں
ان کے پیچھے خزاں سے ڈرتا ہے؟

گردشِ آسماں سے ڈرتا ہے؟
ہم سفر! تُو خزاں سے ڈرتا ہے؟

مایۂ فخرِ اوّلیں ہو کر
حاصلِ دورِ بہتریں ہو کر

اِک نئی شام کو جلو میں لئے
اِک نئی صبح کا امیں ہو کر

منزلِ کارواں سے ڈرتا ہے؟
ہم سفر! تُو خزاں سے ڈرتا ہے؟

قادیان کی دُھندلی یادیں

ہمارے خاندان میں احمدیت

اباجی، ڈاکٹر حبیب اللہ خان مشرقی افریقہ میں محکمہ صحت میں ڈاکٹر تھے۔ آپ کا تعلق پنجاب کے کٹّر مولویوں کے خاندان سے تھا، جو قریشی، علوی، مفتی کے القابات سے ہندوستان بھر میں پھیلے ہوئے فتاویٰ دیتے پھرتے تھے، یہ کٹر ملا احمدیت کے سخت مخالف تھے، اباجی کو تعلیم کے سلسلے میں مشہور معاندِ احمدیت مولوی اصغر علی روحی (پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور، جو آپ کے پھوپھا تھے) کے گھر میں کچھ عرصہ رہنا پڑا تھا وہاں محفلوں میں احمدیہ مخالف طرح طرح کی باتیں سننے کی وجہ سے آپ بھی مخالف تھے، لیکن جب آپ کا مشرقی افریقہ میں احمدیوں سے میل ملاپ ہوا، تو انہیں عام مسلمانوں سے بدرجہا بہتر پا کر ۱۹۲۶ء میں بیعت سے مشرف ہو کر جماعت احمدیہ میں شامل ہوئے۔ اپنے رشتہ داروں سے اپنے آپ کو ممیّز کرنے کے لئے اپنے نام کے ساتھ "ابو حنیفی" (یعنی دینِ حنیف پر) لکھنا شروع کر دیا، رشتہ داروں نے آپ کو دائرۂ اسلام سے خارج کر دیا تھا۔ مجھے یاد ہے جب بھی خاندان میں کوئی تقریب برپا ہوتی اباجی کے ساتھ ہمیشہ بحث ہوتی، اباجی ڈٹ کر مقابلہ کرتے، ہر بار احمدیت پر ایمان مزید مضبوط ہو جاتا۔

ہماری فیملی قادیان میں

ہم اباجی کے ساتھ مشرقی افریقہ میں رہ رہے تھے، جب کہ دونوں بڑے بھائی (ڈاکٹر محمد حفیظ خان مرحوم اور محمد منیر خان شہید) اباجی کے کزن مولوی مدد علی عربی ٹیچر ہائی سکول شاہ کوٹ کے پاس رہ کر پڑھ رہے تھے۔ جب اباجی احمدی ہوئے تو مولوی مدد علی نے دونوں بچوں کو احمدیت کے خلاف بڑھکانا شروع کر دیا، اباجی دونوں بچوں کے بارے میں فکر مند تھے۔

افریقہ میں ارد گرد کوئی خاطر خواہ سکول نہیں تھا۔ اکثر لوگوں نے اپنے بچوں کو ہندوستان میں قادیان یا دوسرے شہروں میں رشتہ داروں کے پاس تعلیم کے لئے بھجوایا ہوا تھا، چنانچہ اباجی نے احباب کے مشورہ سے اپنی فیملی کو قادیان میں رکھنے کا فیصلہ کیا۔ جماعتی نظام کے تحت پروفیسر ارجمند خان صاحب کے گھر واقع دار الرحمت کا نصف حصہ کرایہ پر لے لیا تھا، اور بچوں کو گھر پر پڑھانے کے لئے حضرت ماسٹر عبدالرحمٰنؓ سابق مہر سنگھ کی خدمات حاصل کر لی تھیں۔ ہم اکتوبر ۱۹۴۱ء میں قادیان پہنچے۔ ہمارا مکان "دو بیبیا" چوک میں واقع تھا (جسکی وجہ تسمیہ یہ تھی کہ چوک میں شامل چاروں گھروں کے سربراہان نے دو دو شادیاں کی ہوئی تھیں)۔

میں اُس وقت تین چار سال کا چست و چالاک لڑکا تھا۔ عصر کی نماز کے بعد ماسٹر صاحب تشریف لاتے۔ میں ماسٹر صاحب سے قاعدہ یسرنا القرآن کا سبق لیتا۔ میری زبان میں لکنت تھی، ماسٹر صاحب میرا لحاظ کرتے، انہوں نے مجھے محلے کے اطفال کی تنظیم میں شامل کروا دیا تھا۔ ناظم صاحب نے صبح نماز کے لئے 'صلِّ علیٰ نبینا صلِ علیٰ محمدؐ' کرنے والے لڑکوں کے گروپ میں مجھے شامل کر لیا تھا۔

میرے قادیان میں شب و روز

جیسے ہی میں قادیان میں ارد گرد سے متعارف ہوا، سکول میں تو داخل نہیں تھا، بڑے بھائی امرتسر میڈیکل سکول میں پڑھتے تھے، جو ہفتہ بعد گھر آتے، جب کہ بھائی منیر قادیان کالج میں پڑھتے تھے جو صبح نکلتے شام کی خبر لاتے۔ جونہی بھائی جان صبح کالج کے لئے نکلتے، میں گلیوں میں مٹر گشت کرنے نکل جاتا، گھر میں کوئی پوچھنے والا نہیں تھا۔

قادیان کا بازار

بھائی منیر ہفتے کا سودا سلف جمعہ کی چھٹی کے دن بازار سے لا دیتے تھے، مگر پھر بھی بھائی جان نے بازار میں میرا تعارف ایک دکاندار سے کروا دیا تھا، محلے میں کوئی دکان نہیں تھی، امی مجھے اکثر فوری ضرورت کی چھوٹی موٹی چیزیں لانے کے لئے بازار بھیجتیں، میں نسبتاً چھوٹا رستہ لیتے ہوئے مسجد کی ساتھ والی گلی سے گزر کر، گرلز ہائی سکول کے سامنے جا نکلتا اور ڈھاب کے کنارے کنارے چلتا ہوا بازار پہنچ جاتا۔ اتنا لمبا فاصلہ طے کرتے ہوئے، اکثر مجھے جو چیز لانے کے لئے بھیجا گیا ہوتا، بھول جاتا، اور پھر واپس لوٹنا پڑتا۔ آخر آپا مطلوبہ چیزوں کی فہرست اور نقدی میری جیب میں ڈال دیتیں،

مجھے پڑھنا تو نہیں آتا تھا، میں فہرست اور پیسے دکاندار کو دے دیتا۔ وہ سودا تھیلے میں، اوربقایا نقدی اپنی جیب میں ڈال لیتا۔

مجھ جیسے کھلنڈرے کے لئے بازار میں کریانے کی دکان کے علاوہ دیکھنے کی اور بھی کئی دلچسپ چیزیں ہوتیں، قسمہاقسم کی دکانوں میں ایک گُڈی کاغذ سے مختلف طرز کی جاذبِ نظر پھول دار بیلیں اور گلدستے وغیرہ بنانے والے کی دکان تھی، جس میں دکاندار کے علاوہ سات آٹھ لڑکے کام کرتے تھے ،میں کھڑا دیکھتا رہتا، کس طرح دکاندار کاغذ سے پتیاں کاٹ کر سرکنڈوں پر لپیٹتا اور لپٹی پتیوں کو دبا کر ان میں سلوٹیں ڈالتا اور الگ الگ کر دیتا کہ اصلی پتیاں معلوم دیتیں۔عام پتوں کے لئے سبز اور پھول پتیوں کے لئے مختلف رنگ کا کاغذ استعمال کر تا۔لڑکے ان پتیوں کو دھاگے سے پتلی پتلی سر کنڈے کی ڈنڈیوں کے سروں پر باندھ دیتے یا لئی سے چمٹا دیتے، ڈنڈیوں کو اکٹھا کر کے رنگ برنگے گلدستے تیار کئے جاتے۔اکثر ہندو گھروں میں سجاوٹ کے لئے لے جاتے۔

میں ان دلچسپ مناظر کو دیر تک کھڑا دیکھتا رہتا، بعض دفعہ وقت گزرنے کا احساس نہ ہوتا، گھر جانے پر خوب کھنچائی ہوتی۔

زردے والا پان

بازار کے شروع میں مختلف خوشبوؤں میں رچی بسی پان والے کی دکان تھی، جہاں ہر وقت بھیڑ لگی رہتی، آرڈر پر آرڈر ، زردے والا، قوام والا، سپاری والا، میٹھا، سادہ غرضیکہ ہر قسم کا پان لینے والوں کا جمگھٹا لگا رہتا۔کئی دفعہ چاہامیں بھی پان کھاؤں، مگر رُکا رہا، کیونکہ میں نے کبھی گھر میں کسی کو پان کھاتے نہیں دیکھا تھا۔

ایک دن کسی بات پر خوش ہو کر امی نے مجھے ایک آنہ انعام دیا۔ آج پان کھانے کی خواہش پوری کرنے کا سنہرا موقعہ تھا، بھاگا بھاگا،پان فروش کی دکان پر پہنچا۔ خوش تھا آج میں بھی پان کے خریداروں میں شامل ہوں، اپنی باری پر دکاندار کو آنے کا سکہ دیا، "کس قسم کا پان لینا ہے؟"۔ مجھے گھر میں زردہ پسند تھا۔"زردے والا"۔اگلے لمحے کاغذ میں لپٹی پان کی گلوری میرے ہاتھ میں تھی۔صبر نہ کر سکا جونہی بازار سے نکلا، گلوری کاغذ سے نکال منہ میں رکھ لی، کچھ مزیدار میٹھا لگا، البتہ سپاری چباتے ہوئے منہ بدمزہ ہو گیا، رستے کی ایک طرف پان تھوکتا تھا کہ اچانک طبیعت گھبرانے لگی، دل متلانے لگا، سر بھاری اور چکرانے لگا ، یہ مجھے کیا ہو رہاہے ؟ بخار میں اس طرح کی کیفیت ہو جایا کرتی تھی۔ میں نے گھبرا کر چلنے کی رفتار تیز کر دی، جب گرلز سکول کے سامنے پہنچا، قے آ ئی ۔ کچھ عرصہ سڑک کے کنارے سر پکڑے بیٹھا رہا، جب طبیعت کچھ بحال ہوئی ، گھر پہنچا، والدہ میری حالت دیکھ کر پریشان ہو گئیں، پوچھتی رہیں کیا ہوا، کیا ہوا، دعائیں کرتے ہوئے بستر پر لٹایا، پانی، پینے سے انکار کر دیا، دل ابھی تک متلا رہا تھا۔ جب ذرا طبیعت سنبھلی ڈرتے ڈرتے امی کو بتایا میں نے زردے والا پان کھایا تھا، سارا معاملہ سمجھ گئیں، مجھے کپڑا اوڑھا کر آرام سے سونے کے لئے کہا۔ جب اٹھا تو طبیعت بحال تھی، اس کے بعد جب بھی بازار جاتا، جلدی سے پان کی دکان سے کترا کر گزر جاتا!

آوارہ گردی

ملکِ خدا تنگ نیست پائے مرا لنگ نیست

سارا دن گھر میں اُتھل پتھل میں گزر جاتا، شام کو جب بھائی جان کالج سے گھر آتے، امی نرم طبیعت ہونے کے باوجود اتنی تنگ آئی ہوتیں کہ شکایت کرتیں کچھ گوشالی ہوتی اور بس۔ آپا سکول گئی ہوتیں۔میری دن بھر کی شرارتوں سے تنگ آ کر مجھے دھیان لگانے کے لئے امی کوئی چیز لانے بازار بھیج دیتیں یاباہر کھیلنے کی اجازت دے دیتیں۔ اس وقت مجھے کوئی دوست نظر نہ آتا، سب سکول گئے ہوتے۔

میں نے خود سے کھیلنے کے لئے ایک بوٹ پالش کی خالی ٹین کی ڈبیہ کو ایک لمبی چھڑی کے کنارے پر کیل سے ٹھونک لیا ہوا تھا ، دوسرے کنارے سے پکڑ کر جب لئے چلتا تو ڈبیہ زمین پر چکر کھاتی چلتی جاتی، یوں میرا یہ دوست "ریڑھا" مجھے دھیان دھیان میں قادیان کی گلیوں میں دور دور لے چلتا۔

میں اکثر شمال کی طرف محلہ دارالعلوم میں بورڈنگ تحریکِ جدید اور فضل عمرہوسٹل اور پرانے جامعہ کے ساتھ سے گزر کر تقریباً دو میل دور سیلابی بند(سڑک نواب صاحب) کے ساتھ محلہ دارالشکر نکل جاتا۔(تفصیل کے لئے اُس وقت کے قادیان کا منسلکہ نقشہ دیکھئے)

محلہ دارالشکر میں

محلہ دارالشکر میں حاکم دین صاحب کی کوٹھی کے مشرق میں ملحقہ ہمارا آٹھ کنال زمین کا پلاٹ

تھا جس کے گرد قدِ آدم دیوار تعمیر تھی، ایک کونے میں دو کنال پر ہمارا گھر تعمیر ہو رہا تھا، باقی زمین میں آم، جامن، فالسہ اور امرود کے تناور پودے پھل دے رہے تھے۔ وہاں خوب مزا رہتا، درختوں پر چڑھتا اُترتا، جھولتا، پھل کھاتا، جب تھک جاتا، گھر واپسی پر گھر والوں کے لئے بھی پھل لے آتا۔

شمال میں کھلا میدان تھا جس کے شمالی کنارے کے ساتھ ساتھ ریلوے لائن گزرتی تھی، جس پر کوئی نہ کوئی گاڑی دھوئیں کے بادل اُڑاتی چھک چھک اور سیٹی بجاتی چکر کھاتی آتی جاتی نظر آتی، نظارہ اچھا لگتا، دیکھتا رہتا جبتک گاڑی نظر سے اوجھل نہ ہو جاتی۔

مجھے یاد پڑتا ہے، قادیان میں آخری سالوں میں محلہ دارالشکر کے اس کھلے میدان میں تعلیم الاسلام کالج کی سالانہ کھیلیں اور خدام کا اجتماع منعقد ہوا تھا، میں نے یہ سرگرمیاں اور تقریبات درخت پر چڑھے چڑھے دیکھی تھیں، کیونکہ بچوں کا داخلہ منع تھا۔

سوئمنگ پول (نہانے کا تالاب)

نواب صاحب کے باغ کو ٹیوب ویل کے پانی سے سینچا جاتا تھا۔ ٹیوب ویل کے پاس ہی سوئمنگ پول تھا۔ گرمیوں میں اکثر وہاں دوسرے شہروں کی سوئمنگ کلبوں اور قادیان کی ٹیم کے درمیان مقابلے ہوتے رہتے تھے، اعلان محلوں کی مساجد میں ہوتا، لوگ باگ اپنی ٹیم کی حوصلہ افزائی (بک اپ) کرنے جوق در جوق آتے، عام طور پر یہ مقابلے عصر کی نماز کے بعد ہوتے، میں بھی اکثر دیکھنے چلا جاتا۔

ایک دن جب کہ میچ زوروں پر تھا، مجھے بھیڑ میں زمین پر پڑا ایک روپے کا سکہ ملا۔ وہیں باہر ایک چھابڑی والا آم لئے بیٹھا تھا۔ آم خریدے، اُس وقت لفافوں وغیرہ کا رواج تو نہیں تھا، چھابڑی والے نے میری قمیص کے دامن میں تول کر ڈال دیئے، میں تیراکی وغیرہ بھول کر مزے سے آم چوستا چوستا شام کو گھر پہنچ گیا۔

مسجدِ اقصیٰ قادیان

بھائی جان منیر مجھے جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے اپنے ساتھ اندرون شہر مسجد اقصیٰ، کھلی و تنگ گلیوں سے گزر کر لے جاتے، جہاں میں اکیلا جاتے گھبراتا اور جرأت نہ کرتا تھا۔ مسجد نمازیوں سے کھچا کھچ بھری ہوتی، حضرت مصلح موعودؓ کی جھلک کبھی کبھی دیکھ پاتا، حضور اور اکثر لوگ سفید لباس میں ملبوس ہوتے۔ حضور خطبہ ارشاد فرماتے، اور جمعہ کی نماز پڑھاتے، آپا نے مجھے نماز تو یاد کرادی تھی، مگر ابھی کچی پکی ہونے کی وجہ سے نماز پڑھتے ہوئے اکثر بھول جاتا۔

ایک یادگار وقارِ عمل

اس زمانے میں ایک سال بہت بارشیں ہوئیں، اتنی کہ ڈھاب لبالب بھر گئی۔ موسم گرما تھا محلوں میں ہم بچے برستی بارشوں میں خوب نہاتے بھاگتے "کالیاں اٹاں کالے روڑ مینہ ورسادے زوروں زور" اور موسلا دھار بارش ہوتی۔ جگہ جگہ نشیبی جگہوں میں پانی کھڑا ہو گیا، اور ساری رات مینڈک طرح طرح کی آوازوں میں ٹراتے۔ اک شور سا مچا رہتا۔

اس دوران میں مسجد میں اعلان ہوا کہ شہر سے بہشتی مقبرے کی طرف جانے والا رستہ پانی کھڑا ہونے کی وجہ سے مسدود ہو گیا ہے جس کی وجہ سے زائرین کو پانی میں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس تکلیف کے پیشِ نظر رستے میں پل بنانے کی تجویز ہوئی، جس کے لئے وقارِ عمل کا اعلان ہوا۔

مقررہ دن خدام اور ہم اطفال اپنے محلوں سے 'صلِّ علیٰ' کرتے ہوئے ٹولیوں میں وقوعہ پر پہنچنے شروع ہوئے، وقتِ مقررہ پر جگہ میں بھرپور حاضری تھی۔

اتنے میں نعروں سے میدان گھونج اُٹھا، حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ بنفسِ نفیس وقارِ عمل میں حصہ لینے اور نگرانی کے سلسلے میں تشریف لائے تھے۔ لاؤڈ سپیکر پر کام کا عملی طریقِ کار نشر کیا گیا۔ پروگرام کے مطابق مٹی ایک اونچی جگہ سے کھود کر پل کی جگہ پر تگاریوں کے ذریعے پہنچائی جانی تھی۔ مٹی کھودنے، اور تگاریاں بھرنے والوں کا الگ الگ گروپ تھا۔ بھری تگاریوں کو منزلِ مقصود پر پہنچانے والے خدام اور انصار قطار بنائے کھڑے تھے، جو کھڑے کھڑے اپنے سے اگلے خادم کو تگاری پکڑاتے جاتے اس طرح مٹی سے بھری تگاری منزلِ مقصود پر پہنچ جاتی۔ باہر کی قطار میں ہم اطفال تھے، خالی تگاریاں ایک دوسرے کو پکڑاتے بھرائی کی جگہ پر پہنچاتے جاتے۔

خوش قسمتی سے مجھے جہاں مٹی گرائی جا رہی تھی، اس کے سامنے قطار میں جگہ ملی، میں حضرت صاحب کو سامنے دیکھ رہا تھا، آپ کوٹ کے بغیر، سفید پگڑی، قمیص شلوار میں ملبوس، پہرے

داروں اور خدام سے گھرے کھڑے تھے، بھری تگاری ہاتھوں میں لے کر بھرائی کی جگہ پر ڈال رہے تھے۔ یہ نظارہ اتنے سال ہونے کو آئے اب تک میری یادوں میں ثبت ہے!

دو تین گھنٹوں میں پل بن گیا، حضور نے مختصر خطاب فرمایا، دعا کروائی، اور ہم شاداں و فرحاں مغرب کی نماز سے پہلے گھر لوٹے۔ الحمدللہ

سترہ دن کی چھٹی

اباجی، مشرقی افریقہ میں کیمبو گوٹو کے ٹی بی سینیٹوریم میں سالوں سے ڈاکٹر تھے، آپ گلے کی غدودوں میں انفیکشن کے باعث سخت بیمار ہو گئے۔، دعائیں کیں علاج کروایا، مگر بیماری تھی کہ قابو میں نہیں آرہی تھی۔ دعا کر کے سوئے تھے کہ آواز آئی "تمہیں ۱۷ دن کی چھٹی دی جاتی ہے۔"

افریقہ میں اکیلے تھے، فیملی قادیان میں تھی۔ گھبرا کر چھٹی لے کر ۱۹۴۳ء میں افریقہ سے قادیان تشریف لائے، قادیان میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو خواب لکھ کر دعا کی درخواست کی۔ کچھ دن بعد حضورؓ کا جواب آیا "ڈاکٹر صاحب آپ کیوں گھبراتے ہیں، خواب میں آپ کو سترہ سال سے کہیں زیادہ سالوں کی عمر کی بشارت دی گئی ہے۔" الحمدللہ۔

چنانچہ اباجی نے ۱۷ ستمبر ۱۹۷۷ء کو ربوہ میں خواب سے ۳۴ سال بعد ۸۹ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اللہ تعالیٰ اباجی کی مغفرت فرمائے، آمین۔

قادیان میں اباجی کی مصروفیات

اپنی بیماری کے باعث اباجی بھائی محمد حفیظ خان (جو امرتسر میڈیکل سکول کے تیسرے سال میں پڑھ رہے تھے) کی شادی کے فرائض سے جلد سبکدوش ہونا چاہتے تھے۔ آپ کو واپس ڈیوٹی پر بھی پہنچنا تھا، رشتے کی تلاش کا وقت کم تھا، الفضل میں ضرورتِ رشتہ کا اشتہار دیا۔ بالآخر حضرت مرزا برکت علی صاحب کی دخترِ نیک اختر سے رشتہ طے پایا۔

اباجی نے موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنے تمام غیر احمدی رشتہ داروں کو بغرض تبلیغ شادی میں شرکت کرنے کی دعوت دی، تا کہ اس بہانے قادیان آکر ماحول دیکھیں۔ اُن مدعووین میں اباجی کے رشتہ دار احمدیت کے معاند مولوی مدد علی صاحب بھی شامل تھے (جن کے پاس رہ کر بھائی حفیظ پڑھتے رہے تھے)۔ موصوف کو اپنے علم پر بڑا مان تھا۔ دو تین دن قادیان میں ٹھہرے، اس دوران "روزنامہ الفضل" میں بھائی جان کی شادی کی خبر دعا کی درخواست کے ساتھ شائع ہوئی۔ مولوی موصوف نے اباجی سے الفضل کا شمارہ لیا۔ اعلان کے الفاظ کی شستگی اور دعا کی درخواست سے جل بھن گئے۔ یہ کہتے ہوئے کہ "دیکھتا ہوں تمہارے خلیفہ اور تمہاری دعائیں کیسے قبول ہوتی ہیں، میں پیشگوئی کرتا ہوں، یہ شادی مہینہ بھی نہیں چلے گی"۔ میری عمر اس وقت پانچ چھ سال ہو گی مجھے یاد ہے، مولوی نے اتنا شور و غوغا مچایا تھا، کہ یہ واقعہ میری یادداشت میں اب تک نقش ہے۔ الفضل کا شمارہ جس رعونت سے طے کر کے اپنے تھیلے میں گھسیڑا، اس سے ان کی احمدیت سے تعصب کی غمازی ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اور احباب کی دعاؤں کے طفیل اب اس جوڑ سے آٹھ کنبے جرمنی، امریکہ اور کینیڈا میں کئی خاندانوں میں پھیلے خلیفہ وقت اور جماعت کی دعاؤں کی قبولیت کا ثبوت فراہم کر رہے ہیں۔

میرا اسکول میں داخلہ۔ ہماری کچی پہلی جماعت

قادیان میں اباجی کا دوسرا کام مجھے تعلیم الاسلام پرائمری سکول میں داخل کرنا تھا۔ میرے لئے سکول اور سکول کا ماحول ایک حیرت کدہ سے کم نہ تھا۔

ہماری کلاس، سکول اور کالج کے درمیانی درختوں کی قطار میں ایک گھنے شیشم کے درخت کی چھاؤں میں بیٹھتی تھی۔ سکول شروع ہونے سے دس منٹ پہلے کلاس مانیٹر دو تین لڑکوں کو ساتھ لئے سٹور سے چٹائیاں، بلیک بورڈ اور ماسٹر صاحب کے لئے کرسی اٹھوا لاتا۔ چٹائیاں تین قطاروں میں بچھا دی جاتیں۔

جونہی دعا کی گھنٹی بجتی ہم سکول کے وسیع صحن میں دوسری کلاسوں کے ساتھ اپنے مانیٹر کے پیچھے قطار میں ہاتھ باندھے کھڑے ہو جاتے۔ تین خوش الحان لڑکے ڈائس سے حمدِ باری تعالیٰ کے الفاظ کہلواتے اور ہم سب بیک آواز دہراتے کہ فضا حمدِ باری تعالیٰ سے گونج اُٹھتی:

مری رات دن بس یہی اک صدا ہے
کہ اس عالمِ کون کا اک خدا ہے
اسی نے ہے پیدا کیا اس جہاں کو
ستاروں کو سورج کو اور آسماں کو
نہ ہے باپ اس کا نہ ہے کوئی بیٹا
ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا
پہاڑوں کو اس نے ہی اونچا کیا ہے

سمندر کو اس نے ہی پانی دیا ہے
یہ دریا جو چاروں طرف بہہ رہے ہیں
اسی نے تو قدرت سے پیدا کیے ہیں
سمندر کی مچھلی ہوا کے پرندے
گھریلو چرندے بنوں کے درندے
سبھی کو وہی رزق پہنچا رہا ہے
ہر اک اپنے مطلب کی شے کھا رہا ہے

دعا کے بعد جونہی فضا میں پہلی گھنٹی کی آواز گونجتی ہم واپس اپنی کلاس میں لوٹ آتے۔

ہمارے انچارج ٹیچر حضرت ماسٹر محمد بخش سولنگیؒ صاحب جب تشریف لاتے مانیٹر آگے بڑھ کر سلام کہتا، مانیٹر کے "کلاس سٹینڈ" کے جواب میں ساری کلاس کھڑی ہو جاتی، مانیٹر آگے بڑھ کر ماسٹر صاحب سے سائیکل پکڑ کر درخت کے تنے کے ساتھ کھڑا کر دیتا۔ ماسٹر صاحب السلام علیکم فرماتے، ہم وعلیکم السلام عرض کرتے۔ ماسٹر صاحب بیٹھنے کی اجازت دیتے۔ حاضری ہوتی، لبیک ۔لبیک! اور باقاعدہ پڑھائی کا آغاز قاعدہ یسرنا القرآن کے سبق سے ہوتا، پھر نماز کے سبق کی دہرائی، ماسٹر صاحب آموختہ سنتے، اپنے کُرتے کے پہلو کی جیب سے موٹی سی مسواک نکالتے اورآموختہ نہ سنا سکنے والوں کے ہاتھ پر دو تین بارآہستہ سے مار کر ٹوکن سزا دیتے اور آئندہ یاد کر کے آنے کی تلقین کرتے۔

محترم ماسٹر صاحب نہایت سادہ طبیعت، شفیق، سفید، ڈھیلی ڈھالی پگڑی، قمیص اور تہمد میں ملبوس، بڑی محبت سے پڑھاتے۔ماسٹر صاحب کا مسکراتا ہوا بزرگ چہرہ اب تک میری یادوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے، آمین۔

تفریح کی گھنٹی کے ساتھ ہی بستوں سے لنچ کے ڈبے نکل آتے، جونہی ظہر کی اذان کی آواز مسجد نور سے آتی۔ سفید کپڑوں میں ملبوس سکول اور کالج کے طلباء قطاردر قطار مسجد پہنچتے۔ نماز اور درس کے بعد ہم قطاروں میں واپس کلاسوں میں پہنچ جاتے۔ اور پڑھائی شروع ہو جاتی۔ گھر کے لئے کام دیا جاتا۔ آخری پیریڈ شروع ہونے کے ساتھ ہی بستے سنبھال لیتے۔ چٹائیاں، بلیک بورڈ اور کرسی سٹور میں پہنچا دی جاتی۔ اس دوران کلاس دو قطاروں میں بٹ جاتی اور باری باری پہاڑے کہلوائے جاتے:

ایک دونی دونی۔۔۔ دو دونی چار۔۔۔۔ ایک چوکا چوکا۔۔۔ دو چوکے آٹھ۔۔۔ اک ساتا ساتا پنج ساتے پنتیس۔۔۔۔۔ یہ سلسلہ چھٹی کی لمبی گھنٹی کے ساتھ ہی ختم ہوتا!

چٹائیوں سے اُڑی دھول میں کوئی بستہ لئے مشرق اور کوئی شمال کا رُخ کرتا۔ میں relax حالت میں (آرامی میں چلتا) بوٹ کی ٹھوکروں سے پتھروں سے کھیلتا، دھول اُڑاتا، لاپرواہ قدموں کے ساتھ گھر کی راہ لیتا۔ جب کہ کچھ شام کی کھیلوں کا پروگرام بناتے ہوئے تیز قدم چلتے ہوئے گلیوں اور گھروں کے کھلے کواڑوں میں غائب ہو جاتے۔

بچپن کی خواہشیں

تعلیم الاسلام ہائی سکول کی سادہ سی عمارت کے مقابل کالج کے شاندار بارعب عمارت کے کشادہ اور وسیع برآمدے اور لمبی لمبی راہداریاں ہم جیسے کچی پکی میں پڑھنے والوں کو کھلے عام چھپن چھپائی اور بھاگ دوڑ کرنے کی دعوت دیتیں۔ دو تین بار پہریدار کی سرزنش اور ہماری شامت کہ مجھے بھائی منیر نے (جو بی ایس سی کے طالب علم تھے، اس وقت لیبارٹری میں پریکٹیکل کر رہے تھے) مجھے کھڑکی سے بھاگتے دوڑتے دیکھ لیا، گھر گئے خوب کھچائی ہوئی اور ہمارے لئے کالج میں داخلہ ممنوع ٹھہرا لیکن ہمارے دوست اس نعمت سے چھپتے چھپاتے برابر مستفید ہوتے رہے۔ ہم تھے کہ کالج کی شاندار عمارت کا دور دور سے نظارہ کئے رہتے۔

سکول میں داخلے پر میری گھبراہٹ محسوس کرتے ہوئے آپا نے تسلی دیتے ہوئے بتایا تھا کہ سکول سے کالج کہیں بڑا ہوتا ہے، سکول میں بچے اور کالج میں بھائی جان پڑھتے ہیں، جب سکول پاس کر لیتے ہیں تو کالج میں داخلہ لیتے ہیں۔ بڑی بڑی کتابیں پڑھتے ہیں (پھر بات سمجھ میں آئی کہ بھائی منیر کی میز پر اتنے بڑے بڑے "کتابے" کیوں پڑے رہتے ہیں)۔ بھائی منیر کا کمرہ بیٹھک کے طور پر بھی استعمال ہوتا تھا، الماری میں تصویروں سے مزیّن کتابوں کے علاوہ رنگ برنگ تصویروں والے رسالے بھی تھے۔ شومئ قسمت، میں نے ایک رسالہ کھسکا کر اس میں سے تصاویر کاٹ لیں۔ آخر پکڑا گیا، کھچائی ہوئی، بھائی جان کے کمرے میں بھی میرا داخلہ ممنوع ٹھہرا۔

بدلتے وقت۔۔ پاکستان کے لئے مہاجرت

۱۹۴۷ء میں موسم گرما کی چھٹیوں کے ساتھ ہی قادیان میں آہستہ آہستہ غیر مانوس چہروں کی

آمد شروع ہو گئی تھی، لوگ سامان تانگوں، گڈوں پر لئے آ جا رہے تھے، قادیان کے پر سکون ماحول میں ایک غیر مانوس سی بے چینی سرایت کر رہی تھی۔ محلے کی مسجد میں لوگوں نے بستر لگا لئے تھے۔ ہم بچوں کو باہر نکلنا منع تھا۔

بھائی حفیظ امرتسر سے کئی دن سے آئے ہوئے تھے۔ سرِشام سب لوگ گھروں میں بند ہو جاتے۔ رستے بستے شہر میں جو ایک خاص ہلکی سی زندگی کی بھنبھناہٹ سی ہوتی ہے سرِشام ماند پڑنے لگی۔ ایک ان جانا سا خوف اور ہراس دارالامان پر اپنا مکروہ سایہ تانے جا رہا تھا۔ اب تو نا گہاں کبھی کبھی شام کے وقت گولیاں چلنے کی آوازیں بھی آنے لگی تھیں۔

گھر کے بڑے بیٹھے پاکستان جانے کے منصوبے سوچتے رہتے۔ ضعیف والدہ کی بات تھی کہ وہ کیسے، اگر پیدل قافلے میں جانا پڑا، اتنا لمبا سفر کر سکیں گی۔ گھر کے سٹور میں ایک بچوں کی بڑی سی ریڑھی pram پڑی تھی۔ اسے باہر نکال کر صاف کیا گیا، جوڑوں میں تیل دیا گیا، منصوبہ یہ تھا اس میں رضائیاں وغیرہ بچھا کر والدہ کو بٹھا کر سفر کیا جائے گا۔ جب سب کچھ ہو گیا، مجھے ٹسٹنگ کے لئے پرام میں بٹھایا گیا تو ایک پہیہ اِدھر دوسرا اُدھر چلا گیا، یہ بیکار کی کوشش تھی۔ سب پریشانی میں دعائیں کر رہے تھے۔ اباجی افریقہ میں الگ سے پریشان تھے۔

بھائی منیر ڈیوٹی پر جاتے شام کو خبریں لاتے۔ بسوں کے ایک دو قافلے جا بھی چکے تھے، ایک صبح ہم تیار ہو کر گئے بسیں کھچا کھچ بھری ہوئی تھیں، نفسا نفسی کا عالم تھا، ظاہر ہے ہم نو افراد کو کہاں جگہ ملتی!

اتنی مایوسی تھی کہ بڑوں نے سوچا پتہ نہیں ہمارا کیا بنتا ہے کم از کم ہم میں سے کوئی ایک تو بچ جائے، قرعہ میرے نام پڑا۔ میرے دو تین کپڑے، کچھ روٹیاں ایک بچکی میں باندھ دی گئیں کچھ نقدی میری قمیص میں سی دی گئی، اور کچھ میری جیب میں۔ لاہور میں خالہ زاد بھائی نور احمد کے گھر کا پتہ: بیرون موچی گیٹ، برکت علی روڈ، ۵ قمر منزل، لاہور، لکھ کر میری جیب میں اور بچکی میں خط کے ساتھ رکھ دیا گیا۔ مجھے ہر ایک نے آنسو بھری آنکھوں سے سسکیاں لیتے اور دعائیں کرتے بھائی منیر کے ساتھ روانہ کیا۔

جب ہم تعلیم الاسلام کالج کی گراؤنڈ میں پہنچے، کھچا کھچ بھری چار پانچ بسوں کے گرد ایک اژدھام تھا، ایک طرح کی چیخ وپکار تھی۔ بھائی منیر نے مجھے بازوؤں میں اٹھا لیا، اور ایک بھری بس کی کھلی کھڑکی میں اندر دھکیلنے کی کوشش کی، گھبراہٹ میں میں نے رونا شروع کر دیا، دو دفعہ کی کوشش رائیگاں گئی۔ بسیں چلی گئیں اور ہم مایوسی کے عالم میں گھر واپس لوٹ آئے۔

نااُمیدی میں امید

سخت مایوسی تھی، طرح طرح کے منصوبے بنتے اور ٹوٹتے۔ ایک شام جب دروازہ بند کیے مایوس بیٹھے تھے، دروازہ کھٹکا، سب ڈر گئے۔ پاس جا کر پوچھا: کون ہے؟ باہر سے خالہ زاد بھائی نور احمد کی مخصوص آواز تھی " میں نور احمد"۔ دروازہ کھولا، سب سے گلے ملے۔ انہوں نے بتایا وہ ایک فوجی ٹرک لے کر ہمیں لینے آئے ہیں، صبح سے ہمارے گھر کا پتہ کرتے کرتے اب ہم تک پہنچے ہیں۔ ہم سب نے خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا، کیسے نا امیدی میں امید پیدا کر دی۔ الحمدللہ

اگلی صبح ہم تیار ہو کر بسوں کی طرف روانہ ہوئے۔ ہمارے ٹرک میں بھی لوگ سوار ہو چکے تھے، تل رکھنے کی جگہ نہیں تھی۔ انتظام پر مامور خدام کو بھائی نور احمد اور بھائی منیر نے بتایا، ہمارے لئے جگہ بنائی گئی۔ بے جی (والدہ) بھائی منیر کو بار بار کہتیں اور التجائیں کرتیں کہ تم بھی ہمارے ساتھ چلو، مگر انہوں نے کہا میری ڈیوٹی ہے میں بعد میں آؤں گا، اور بھیڑ میں گم ہو گئے۔ والدہ مرحومہ دیر تک اداسی میں روتی رہیں۔

سفرِ ہجرت

ہماری کانوائے میں سات بسیں تھیں، موسمِ برسات اور ٹریفک کی وجہ سے سڑک پر جا بجا کھڈے پڑے ہوئے تھے، بسیں رینگنے کی رفتار سے چل رہی تھیں۔ جب شام ہوئی ہم امرتسر شہر کے مضافات میں داخل ہو ہی رہے تھے، کہ ایک بس کا انجن رک ہو گیا۔ بھائی نور احمد فوج میں موٹر مکینک تھے، رات اندھیری تھی کچھ سجھائی نہیں دیتا تھا، بیٹری (فلیش لائٹ) مہیا نہیں تھی۔ پتہ کیا گیا کسی کے پاس ماچس ہے، آخر ایک سگرٹ نوش کام آئے۔ ماچس کی تیلیاں جلا جلا کر اُن کی روشنی میں بس کے انجن کی تاریں جوڑیں اور بس چل پڑی۔ سب نے شکر ادا کیا۔

بھائی حفیظ پہلے ہی لاہور پہنچ چکے تھے، انہوں نے کرشن نگر میں ایک گھر الاٹ کروا لیا تھا، بھائی

ڈاکٹر تھے بازار میں ایک ہومیو پیتھک ڈاکٹر کی دکان الاٹ ہوگئی تھی۔ بھائی جان ہومیو پیتھک کی چھوٹی چھوٹی شیشیاں لے کر آتے ہم انہیں صاف کرتے اور لنڈے بازار میں بیچ کر کچھ نقدی مل جاتی۔ افراتفری کا زمانہ تھا۔ بے جی (والدہ) نے کچھ نقدی بچا رکھی تھی جس سے گزارا ہو رہا تھا۔

بھائی منیر کی شہادت

ہم لاہور میں ٹھہر کر بھائی منیر کے قادیان سے پہنچنے کا انتظار کر رہے تھے۔ کہ ناگہاں دفتر سے بھائی کی شہادت کی اطلاع ملی۔ تفصیل کے مطابق بھائی جان سکھ حملہ آوروں کا مقابلہ اباجی کی دونالی بندوق سے کئی دن کرتے رہے، آخر سکھوں نے رات کے اندھیرے میں گھر کی پچھلی دیوار پھاند کر پیٹ میں چھرا گھونپ کر شہید کر دیا، جب خدام اگلی صبح پتہ کرنے گئے تو بھائی کو صحن کے درمیان میں چت پڑے پایا، انتڑیاں باہر پھیلی ہوئی تھیں۔

انااللہ وانا الیہ راجعون!

اس خبر پر بے جی اور بڑوں کا غم سے برا حال تھا۔

اب ہمارا لاہور میں ٹھہرنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ لاہور میں بھی افراتفری تھی بسوں پر بڑی بھیڑ تھی۔ ہم نے لاہور سے سو میل دور اپنے آبائی گاؤں چک سان جانا تھا۔ آخر ایک گڈے والے نے چکسان پہچانے کی حامی تین چار سو روپے میں بھر لی۔

ہم اور ہمارا جو بھی اثاثہ تھا، گڈے پر لد کر آہستہ آہستہ منزلِ مقصود کی طرف بڑھنا شروع ہوئے۔ مجھے شاہ درّے کی سڑک اب بھی یاد ہے

جس کی جانبین میں کھجور کے لمبے لمبے درخت تھے۔ رستے میں بیلوں کے آرام کے وقت ہم بھی نیچے اُتر کے گھیس وغیرہ بچھا کر آرام کر لیتے۔ ہماری سواری ساری رات چلتی رہتی آخر کار سو میل کا یہ سفر اللہ کر کے ختم ہوا اور ہم چوتھے دن اپنے گاؤں پہنچ گئے جان میں جان آئی۔

دادی جان اور گاؤں کے لوگ ہمارے منتظر تھے۔ دادی جان ہمیں دیکھ کر بہت خوش ہوئیں۔

ہم اپنے پکے گھر میں خوب دوڑے پھرے۔ بے سروسامانی کی حالت تھی، بھائی منیر کی شہادت سے سب نڈھال تھے، بے جی کا برا حال تھا، ہر وقت دروازے کی طرف نظریں ٹکائے رکھتیں، کہ منیر اب آیا کہ اب آیا۔

اب پاکستان میں میری زندگی کا ایک نیا باب شروع ہو چکا تھا۔۔۔۔!

فیصلہ کرنے میں میری مدد کیجئے گا

مکرم محترم مولانا اصغر علی صاحب بھٹی مبلّغ اسلام نیجر

۱۹۴۶ء میں جب الیکشن کا زمانہ تھا شاہ صاحب کشمیر میں تھے ہم لوگ شاہ صاحب کو لینے کشمیر گئے۔ رات ملاقات ہوئی بات کوئی نہ ہوئی صبح ہم نے تلاش کیا، پتہ چلا فلاں جھیل کی پہاڑی کے اوپر صبح کی نماز پڑھ کر چلے جاتے ہیں اور کافی دیر بعد واپس آتے ہیں۔ جب ہم وہاں پہنچے، ہم نے کیا نقشہ دیکھا پہاڑی کی چوٹی پر تشریف فرما ہیں۔ ابھی پو اچھی طرح پھٹی نہ تھی۔ چھ بجے کا وقت تھا۔ پہاڑ کے درمیان جھیل کی دوسری طرف ایک اور پہاڑی ہے جہاں سے پانی بہتا ہے مگر خاموشی کے ساتھ، زمین، آسمان فضا سب خاموش ہیں شاہ صاحب محو تلاوت ہیں بآواز بلند کوئی انسان نہیں، ہم نے ان آنکھوں سے نظارہ کیا۔ سامنے کی پہاڑی پر جم غفیر ہے، سانپ ہی سانپ تھے چھوٹے بڑے، درمیانے، ایک بہت بڑا سانپ بھی پھن پھیلائے جھوم رہا تھا۔ ہم وہیں رک گئے سانسیں بھی روک لیں اور بیٹھ گئے۔۔ پون گھنٹے کے بعد شاہ صاحب نے تلاوت ختم کی اور سانپوں نے پہلے سر کو پہاڑی پر رکھا جیسے سجدہ ریز ہوں پھر آہستہ آہستہ چلے گئے۔

تحریک تحفظ ختم نبوت کے مؤرّخ جناب محمد طاہر رزاق صاحب نے یہ واقعہ درج کرنے کے بعد جناب عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب کے وہ دلدوز الفاظ درج کئے ہیں جو ان کے دلی کرب کے بھی آئینہ دار ہیں اور زندگی کی ناکامی و نامرادی اَور سعیٔ لاحاصل کی بازگشت بھی۔ شاہ صاحب نے ہماری طرف دیکھا اور کہا کامریڈ دیکھا تم نے؟ مَیں اگر پہاڑوں کو قرآن سناؤں تو ریزہ ریزہ کر دوں، ہوا کو ساکت کر دوں، سمندر کو برف بنا دوں مگر میری قوم نے میرے سر کے بالوں کی سیاہی سفیدی میں بدل دی مگر میں ان کے دلوں کی سیاہی کو نہ دھو سکا۔

(ہفت روزہ ختم نبوت جلد ۷ شمارہ ۱۱ بحوالہ ختم نبوت کے محافظ ص ۱۰۱ حضوری باغ روڈ ملتان)

وہ بلا کا خطیب ایک چھوٹی سی جماعت کو کیوں ہرا نہ سکا؟

اس لئے کہ اس نے اپنے لاکھوں کے مجمع اور اپنے چہیتے شاگردان کرام کو سب کچھ سنایا مگر قرآن نہ سنایا۔ وہ قرآن جسے سنا کر آپ ہوا کو ساکت کر سکتے تھے اور سمندروں کو جما سکتے تھے اور پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر سکتے تھے مگر آپ تو اس قرآن کو طاق نسیاں میں ڈال کر بقول آغا شورش کاشمیری صاحب طنز و تمسخر کی دنیا میں جا نکلے۔

"ان کے ہاں طنز بھی ہے سخت قسم کا طنز لیکن سبّ و شتم نہیں۔ جن چیزوں سے نفور ہوں ان سے تمسخر بھی روا رکھتے ہیں۔ ان کے ہاں اس تمسخر یا پھکڑ کی زدّ سب سے زیادہ مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کی ذریات پر پڑتی ہے۔" (سید عطاء اللہ شاہ بخاری، صفحہ ۱۹۴ از شورش)

"یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مجلس احرار کے خطیبوں میں جذباتیت، پھکڑ بازی اور اشتعال انگیزی کا عنصر غالب ہوتا ہے۔ یہ ٹھیک ہے مگر یہ بھی تو دیکھئے کہ ہماری قوم کی ذہنیت اور مذاق کیا ہے۔ آپ ذرا حقیقت پسند، سنجیدہ اور متین بن جائیں پھر آپ مسلمانوں میں مقبول ہو جائیں اور کوئی تعمیری و اصلاحی کام کر لیں تو ہمارا ذمہ اسی طرح اشتعال انگیزی بھی ہماری تحریکوں، جماعتوں اور قائدوں کی جان ہے۔ آپ بڑے بڑے دیندار، با اخلاق اور سنجیدہ و متین پہاڑوں کو کھو دیں تو اشتعال کا چوہا نکلے گا۔ الیکشن بازی میں تو دیندار اور بے دین سب کے سب اشتعال انگیزی ہی سے کام لیتے ہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ اس سے کوئی کم لیتا ہے اور کوئی زیادہ۔ ہمارے احراری بزرگ اس میں سب سے آگے ہیں اس لئے رشک و حسد کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں۔" (آزاد احرار نمبر مورخہ ۲۷ ستمبر ۱۹۵۸ء صفحہ ۱۸-۱۷)

استہزاء اور طعن و تشنیع کا انجام

دوستو! احمدی تبلیغ جہاں برصغیر سے نکل کر دنیا کے تمام براعظموں میں پھیل گئی وہیں ٹھیک اس طرح سے دوسری طرف محافظین ختم نبوت کے پیروکار اب ان جلسوں میں بھی آنے کے لیے تیار نہیں جن میں ان کے محبوب علماء محو تقریر ہوتے ہیں۔ دنیا کی تاریخ میں یہ سانحہ بھی ایک عجیب شان رکھتا ہے۔ ایک طرف احمدیت کے نعرے دنیا کے چپے چپے سے بلند ہو رہے ہیں جبکہ دوسری طرف احمدیت کو تباہ و برباد کر دینے کے نعروں والے حضرات اپنے سامعین کی راہیں تکتے تکتے اونگھنا شروع ہو گئے ہیں۔

یہ خدا کا انتقام ہے یا احمدیت کی سچائی کی دلیل۔ فیصلہ کرنے میں میری مدد کیجئے گا!!

(مرسلہ ملک محمد صفی اللہ خان قادیانی احمدیؔ)

کتاب تاریخ احمدیت کے بارے میں ضروری اعلان

بہ مطابق سرکلر از نظارت نشرو اشاعت قادیان بنام مکرم امیر صاحب جماعت احمدیہ

"تاریخ احمدیت کی ۱۹ جلدیں جو قبل ازیں قادیان سے شائع ہوئی ہیں ان میں ربوہ سے شائع شدہ جلدوں میں سے پہلی دو جلدوں (جلد ۱ اور ۲) کو ایک جلد کی صورت میں شائع کیا گیا ہے۔ اس طرح ۲۰ جلد تک ۱۹ جلدوں میں شائع کی گئی ہیں۔ جلد ۲۱ سے پرانی ترتیب کے مطابق ہی یہ جلدیں شائع کی جارہی ہیں۔ مذکورہ صورت حال کی وجہ سے مواد کے اعتبار سے تو ۲۰ جلدیں ۱۹ جلدوں میں سما گئی ہیں لیکن نمبرنگ کے اعتبار سے جلد نمبر ۲۰ کا وقفہ پڑ گیا ہے۔

آئندہ کے لئے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے جلد نمبر ۱ اور ۲ کو ایک جلد کی صورت میں شائع کرنے کی بجائے الگ الگ دو جلدوں میں شائع کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ اس طرح جلدوں کی نمبرنگ کی غلطی آئندہ ایڈیشن میں درست ہوجائے گی۔ ان شاء اللہ

جن احباب جماعت نے شروع کی ۱۹ جلدیں خرید لی ہیں اور اس کے بعد جلد ۲۱ سے اگلی جلدیں خریدیں گے اُن کے لئے ایک نوٹ تیار کیا گیا ہے اور اُن سے گزارش کی جاتی ہے کہ وہ اس نوٹ کو قبل ازیں خرید کردہ ۱۹ جلدوں میں چسپاں کرلیں تاکہ جلدوں کی نمبرنگ کے اعتبار سے ایک نمبر بیچ میں سے رہ جانے کی وجہ سے اُن کو کسی قسم کی غلطی نہ لگے۔ جزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء

(مذکورہ نوٹ نیچے درج ہے)

تمام امراء جماعت، صدرانِ جماعت سے درخواست ہے مذکورہ بالا نوٹ تمام ایسے احباب جماعت کو فراہم فرمائیں جنہوں نے تاریخ احمدیت کی شروع کی ۱۹ جلدیں یا جلد ۱ تا ۱۹ میں سے کوئی بھی جلد نظارت نشرو اشاعت قادیان سے شائع شدہ خریدی ہے۔ جزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء

ضروری نوٹ بسلسلہ کتاب تاریخ احمدیت

(نمبرنگ میں ہونے والی غلطی کی درستی کے لئے)

تاریخ احمدیت کی شروع کی ۲۰ جلدیں ربوہ سے شائع ہوئی تھیں۔ بعد میں قادیان سے شائع ہونے سے قبل ربوہ سے ان جلدوں کی ترتیب میں اس طرح تبدیلی کی گئی کہ جلد ۱ اور ۲ کو جلد ۱ میں سمو یا گیا۔ شروع کی ۶ جلدوں تک پہلے سے شائع شدہ ۷ جلدوں کا مواد آگیا اور اسی کے مطابق ربوہ سے یہ جلدیں قادیان میں اشاعت کے لئے موصول ہوئیں اور اسی نمبرنگ کے مطابق یہ جلدیں قادیان سے ۲۰۰۷ء میں شائع ہوئیں۔ جلد ۱ میں یہ نوٹ دیا گیا کہ جلد نمبر ۱ میں پرانی شائع شدہ جلد ۱ اور ۲ کو یکجا کرکے شائع کیا گیا ہے اور باقی جلدوں میں اس طرز کا نوٹ دیا گیا کہ "دفتر اشاعت ربوہ نے اس کی (تاریخ احمدیت کی) دوبارہ اشاعت شروع کی ہے۔ نئے ایڈیشن میں جلد نمبر ۴ کو جلد نمبر ۳ بنایا گیا ہے۔" (وعلیٰ ہٰذا القیاس)

جلد نمبر ۷ سے جلد نمبر ۱۹ تک قادیان سے پرانی جلدوں کے ہی مسودے کے سرورق پر ایک جلد پہلے کا نمبر دیا گیا ہے جب کہ اندر پرانی ترتیب کے حساب سے ہی مواد شامل اشاعت کیا گیا ہے۔ (وعلیٰ ہٰذا القیاس)

اب جلد نمبر ۲۰ شائع نہیں ہوگی کیونکہ ۲۰ جلدوں کا مواد ۱۹ جلدوں میں آچکا ہے اور اس کے آگے جلد ۲۱ سے یہ جلدیں پرانی نمبرنگ کے حساب سے شائع ہورہی ہیں۔ لہٰذا شروع کی ۱۹ جلدوں کو ۲۰ جلدیں پرانی نمبرنگ کے اعتبار سے ہی تصور کیا جائے۔

آئندہ ایڈیشن میں نمبرنگ کی غلطی کو حضور انور کی ہدایت کے مطابق درست کرلیا جائے گا۔ ان شاء اللہ

(ناظر نشرو اشاعت قادیان)